جوک در جوک
ڈاکٹر محمد یونس بٹ

۱۹۹۳ء

• ح ۔ ۔ ۔ رام

"ہفت روزہ" "السٹر یٹیڈ ویکلی" میں انڈین نیشنل کمیشن آن دی ہسٹری آف سائنس کے ممبر اور انڈین اسٹروفزکس ایسوی ایشن کے چیئر مین پروفیسر راجیش کوچر نے کہا ہے کہ رام کی جنم بھومی اجودھیا دراصل افغانستان میں ہے۔ ہم اس پر (ح۔رام) ہی کہ سکتے ہیں۔ جیسے جب ممتاز دولتانہ وزیر اعلیٰ تھے ان دنوں چراغ حسن حسرت صاحب نے انگریزی الفاظ کو اردو میں منتقل کرنے کے لیے کہا تھا اب جو انکم ٹیکس دیئے جارہا ہو کے؟ میں "دولتانہ" دیئے جارہا ہوں۔ ایسے ہی ہم نے "Hey! Ram" کو اردو میں (ح۔ ۔رام) کہا ہے۔

ہم تاریخ کے لاجواب طالب علم رہے ہیں جب بھی کوئی سوال پوچھا جاتا ہمارا جواب "لا" میں ہوتا' لیکن رام جی کے بارے میں ہم اتنا ہی جانتے ہیں جتنا ہندو جانتے ہیں یعنی کچھ نہیں جانتے۔ ہندوؤں نے تو ابھی رام جی کی پیدائش کا فیصلہ نہیں کیا' اگرچہ انہیں اب زیادہ دیر نہیں کرنا چاہیے رام جی کو پیدا کرلینا چاہیے۔ ویسے مختلف پنڈتوں کے تخمینوں کے مطابق رام کی پیدائش کے سال میں کوئی زیادہ فرق نہیں' بس کوئی ایک دو ہزار سال کا فرق ہو گا۔ سنا ہے رام جی جب پیدا ہوئے تو ان کی عمر نو ماہ تھی۔

ہم نے ایک پنڈت سے پوچھا وہ کس کے بیٹے تھے؟ کہا اپنے ہی باپ کے بیٹے تھے' بہرحال سب یوگی "گائے بگائے" اس پر متفق ہیں کہ رام جی پیدا ہوئے تھے۔ اگر وہ کہتے کہ وہ سیتا کی طرح ہل کے پھل کے ساتھ زمین سے نکلے تھے تو ہم کیا کرلیتے۔

ہندو بڑی سیلف میڈ قوم ہے ان کا مذہب الہامی نہیں ایہامی ہے' جب 1981ء میں مردم

شادی کے موقع پر سر ڈنزل ایبسٹن ناظم مردم شماری کو سمجھ نہ آئی کہ ہندو کون ہوتے ہیں تو اس نے وہ باشندے جو کسی متعین مذہب یا عقیدے میں نہ آتے تھے' انہیں وغیرہ وغیرہ کی بجائے ہندو درج کرنا شروع کر دیا۔ ہم مانتے ہیں ہندو واقعی بڑا پرانا مذہب ہے' ان کے بت دیکھ کر تو لگتا ہے یہ اس وقت کا ہے جب ابھی انسان نے کپڑے پہننے بھی شروع نہیں کیے تھے۔ ویسے دیوی دیوتاؤں کے بت ایسے ہیں کہ اگر ان میں اسی طرح جان پڑ جائے تو تمام حدود آرڈیننس کے تحت دھر لیے جائیں پچھلی چند صدیوں سے دیوی دیوتاؤں کی تعداد لاکھوں سے کروڑوں میں ہو گئی ہے ہو سکتا ہے ان کی افزائش نسل پر کنٹرول کے لئے بھی محکمہ منصوبہ بندی کی ضرورت پڑے۔ ہمارے ہاں دو خدا ہیں ایک حقیقی خدا اور دوسرا مجازی خدا' لیکن مہا بھارت میں تو مجازی خدا بھی کئی کئی ہوتے' دروپدی پانچ پانڈوؤں کی بیک شرکت غیرے بیوی تھیں۔ ہندوؤں کا ہر کام کرنے کے لئے الگ دیوتا ہے بلکہ کام نہ کرنے کے لیے بھی الگ دیوتا ہے۔ اتنے زیادہ خدا ہیں کہ پوچھنا پڑتا ہے اس وقت آن ڈیوٹی کون ہے؟

رامائن ان کی مذہبی کتاب ہے ایک پنڈت نے رامائن کا نسخہ دکھایا جس سے کچھ پڑھا نہ جاتا تھا۔ دیکھنے والے نے پوچھا پنڈت جی یہ تو پڑھا ہی نہیں جا رہا' تو پنڈت بولے یہ بہت پرانا نسخہ ہے۔ یہ تب کا ہے جب ابھی پڑھنا لکھنا شروع نہیں ہوا تھا۔ ایک اور نسخہ دکھایا جس پر کچھ لکھا نظر نہیں آ رہا تھا۔ تو دیکھنے والے نے کہا پنڈت جی لگتا ہے یہ تب کا ہے جب ابھی لکھنا شروع نہیں ہوا تھا۔ رامائن کے مطابق رام جی کو 12 برس کا بن باس ملا تو بھائی بھرت نے ان کی جاتے ہوئے کھڑاواں تھی اتروا لیں' تاکہ رام جی کو دیکھنے کو جب من چاہے تو وہ ان کو دیکھ کر خوش ہو لیا کرے۔

جنگل میں رام کی پتنی سیتا کو راون نے رام کرنے کی کوشش کی' پھر راون اور رام کے درمیان ایسا گھمسان کا رن پڑا جیسا دوسرے کے موقع پر پڑتا ہے۔ آپ پوچھیں گے راون اور رام کی اس جنگ میں کون جیتا' تو اس کا جواب ہے "بندر" اسی لئے

ہندو بندر کو ہنومان جی کہہ کر اس کی پوجا کرتے ہیں۔
ہمارے ایک مشہور شاعر نے بھی کہا کہ میری تو ہندوستان میں پوجا ہوتی ہے تو ہم نے کہا تھا کسی کو مت بتانا' پتہ نہیں لوگ آپ کو کیا سمجھیں۔ آج کل وہاں جن دیویوں کی سب سے زیادہ پوجا ہو رہی ہے ان میں مری دیوی بہت مقبول ہے۔
آریہ فرقے کے معروف عالم راجہ پنڈت ہرکشن کول نے ہندو مذہب کی تعریف یہ کی ہے' کہ وہ گائے کا احترام کرتے ہیں۔ یہ مذہب گائے کے چار پاؤں پر کھڑا ہے۔ انگریز بھی گائے کا اس قدر احترام کرتے کہ اسے نئل کا میم صاحب کہہ کر بلاتے۔ گائے سے ہندوؤں کا وہی رشتہ ہے جو گائے کا بچھڑے سے ہے۔ ہمارے لئے تو گائے اللہ کا بنایا ہوا ٹیڑا ایک ہے جس میں عمر بھر دودھ تازہ رہتا ہے' یا گائے گھاس کو دودھ میں تبدیل کرنے کا پلانٹ ہے' لیکن ہندو مذہبی رہنمائی کے لے گاہے بگاہے گائے کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ جیسے اخفش نامی بزرگ جنہوں نے شاعری کے اوزان اور بحریں مقرر کیں ایک بکری رکھتے تھے۔ ابن انشا کہتے ہیں بکرا تھی' بہرحال اخفش صاحب سارا دن اس کے سامنے فعلان' فعلات کرتے رہتے جہاں شک ہوتا بکری سے پوچھ لیتے' اگر وہ دائیں بائیں سر ہلاتی تو سمجھتے غلطی ہو گئی ہے۔ البتہ اوپر نیچے سر ہلاتی تو مطلب ہاں میں ہاں ملانا ہوتا۔ اس بکری کا اردو شاعری پر بڑا احسان ہے کہ وہ اخفش صاحب کے تین شعری مجموعے کھا گئی۔ ایسے ہی جب گپتا خاندان کے راجہ بکرما جیت نے رامائن سے متاثر ہو کر سوچا کہ رام جی کا شہر اجودھیا تلاش کرنا چاہیے اس نے یوگیوں سے مشورہ کیا تو انہوں نے کہا یہ کام تو کسی جانے کے ذمہ لگانا چاہیے۔ یوں یہ ذمہ داری گائے اور بچھڑی کو سونپی گئی۔ کہا گیا جہاں جا کر بچھڑی کا شیر دان بھر جائے گا اور اس سے دودھ بہنے لگ گا وہ جگہ اجودھیا اور رام جنم استھان ہو گی۔ راستے میں ایک نئل نے ان کے مذہبی معاملات میں مداخلت کرنے کی کوشش کی' بہرحال ایک شہر جس کا نام سکتیا تھا وہاں پہنچ کر بچھڑی کا شیر دان بھر آیا۔ یوں اس شہر کو اجودھیا کہا جانے لگا۔ ویسے اس حساب سے راجہ بکرما جیت کو بقر ماجیت کہنا چاہیے۔ ایسی ہی

کسی سیانی گتے نے ہمیں بتایا کہ رام جنم استھان بابری مسجد کی جگہ ہے۔ اب راجیش کوچ نے کہا ہے ایودھیا افغانستان میں ہے لگتا ہے انہوں نے ہر ملک میں اپنی گائیں چھوڑ رکھی ہیں' اسی لئے ہم گائے کو ہمیشہ کھانے والی نظر سے دیکھتے ہیں۔

○○○

MAD-ONA •

سڈنی سمتھ نے کہا ہے کہ دنیا میں تین صنفیں ہیں مرد، عورت اور پادری۔ شاید اسی لئے ہم نے پتہ کرایا کہ میڈونا کی کتاب "سیکس" مرد زیادہ خرید رہے ہیں یا عورتیں تو جواب ملا "پادری۔"
میڈونا بیسٹ سیلر تو ہے ہی اب تو اس کی کتابیں بھی بکنے لگی ہیں۔ میڈونا وہ عورت ہے جسے بچی کا چہرہ لگا ہوا ہے مگر وہ پھر بھی نہیں بچی۔ اس کے خاندان کے بارے میں کئی برس پہلے ایک اخبار نے انکشاف کیا تھا کہ اس کا باپ تھرڈ کلاس ہوٹلوں میں گا کر اپنا پیٹ بھرتا ہے، جس پر میڈونا نے کہا مگر میرا ڈیڈ تو مر چکا ہے اخبار نے اگلے دن لکھا ہاں ڈیڈ تو مر چکا ہے مگر آپ کا باپ آج کل اسی طرح روزی کما رہا ہے۔ سوتیلی ماں کی وجہ سے گھر سے بھاگنے کا قدم اٹھایا۔ کسی نے پوچھا آپ نے اتنا بڑا قدم کیسے اٹھایا؟ تو قدم اٹھا کر دکھاتے ہوئے بولی۔ "ایسے۔" اس کی ماں سوتن کو ایک تن نہ سمجھتی سو کسی کو اپنی سوتن بنانے کی بجائے خود کسی کی سوتن بن گئی۔ ایک وقت تھا جب میڈونا آسمان کی چھت کے نیچے ستاروں تلے راتیں گزارتی اگرچہ کچھ نامور ستاروں نے اس سے لاعلمی کا اظہار کیا ہے۔ اس کی عمر کا پکا پتہ نہیں البتہ ہماری ایک ادیبہ نے کہا ہے کہ میں میڈونا سے چھوٹی عمر کی ہوں اس کا تو سارا سر سفید ہے میرا تو ابھی آدھا سفید ہوا ہے۔ کہتی ہے میری مشابہت جنسی اداکارہ مارلن منرو سے ہے اتنی مارلن منرو کی اپنے ساتھ نہ تھی جے ایف کینیڈی جو بات دور دراز ممالک تک پہنچانا چاہتے وہ مارلن منرو کو بتا دیتے اخباروں کو اس لئے نہ بتاتے کہ ان کی سرکولیشن اتنی نہ ہوتی۔ مارلن منرو نے رائٹر آرتھر سے شادی کی جس کا نتیجہ جو نکلا ڈاکٹر اسے آرتھر اٹس کہتے ہیں جب وہ سولہ برس کی تھی تو اپنی عمر Sexteen بتاتی۔ انجمن ہماری وہ اداکارہ ہے جسے آپ ایک فقرے میں نہیں سمو سکتے مگر میڈونا کو

میں سفیدی کرنے والے کے مقام و مرتبے سے آگاہ نہ تھے۔ رقص اعضاء کی شاعری ہے شاید رقص کو شاعری کے خانے میں اس لیے شامل کیا گیا ہو کہ رقص میں بھی سر سے زیادہ پاؤں کا استعمال ہوتا ہے۔ ان کا دماغ ہر وقت شاعری کے لیے چلتا رہتا ہے صرف اس وقت نہیں چلتا جب وہ شاعری کر رہے ہوتے ہیں۔ جیسے ہمارے ٹی وی پروڈیوسرز حضرات جب صبح اٹھتے ہیں تو ان کا دماغ چلنا شروع ہوتا ہے اور اس وقت تک چلتا رہتا ہے جب تک وہ ٹی وی اسٹیشن کے اندر داخل نہیں ہو جاتے۔

ڈاکٹر صاحب بڑے پریکٹسٹ ہوتے ہیں ہمارے ایک استاد پروفیسر ڈاکٹر جو ابھی "حیات" ہیں خدا انہیں "منور" رکھے۔ انہوں نے اپنی لیڈی سیکرٹری کو نکال دیا تھا کہ اسے کچھ آتا نہیں سوائے "ٹائپنگ' ڈرافٹنگ اور شارٹ ہینڈ کے۔" اسی لیے شعبہ طب کے لوگ دوسرے شعبوں میں شعبدہ بازی دکھا رہے ہیں اس سے لگتا ہے کہ ایک دن محکمہ ڈاک کی فوری اور محفوظ ڈیلیوری کے لیے گائناکالوجسٹ رکھ لے گا۔ ہم خود ڈاکٹر ہیں مگر ایسے کہ اگر کوئی جاننے والا کسی بڑی بوڑھی کے لیے ہمارے پاس دوائی لینے آئے تو ہمیں یقین ہوجاتا ہے کہ یہ اس کی ساس ہے۔ لیکن ڈاکٹر زاہد امیر صاحب اپنے فیلڈ کے اتنے بڑے ڈاکٹر ہیں کہ ای این ٹی کے ڈاکٹرز بھی ان کا نام سنتے ہی اپنے کانوں کو ان کا ہاتھ لگواتے ہیں۔ وہ ماہر امراض کان' ناک اور گلہ ہیں۔ کان گلہ تک بات ٹھیک تھی ناک والی بات خطرناک ہے۔ ہمارے ایک معروف آئی سرجن نے ایک مصور کا علاج کیا۔ مصور نے ایک تقریب میں خوش ہو کر آئی سرجن کو ایک تصویر دی۔ تصویر میں ایک بڑی سی آنکھ میں آئی سرجن کی تصویر بنائی ہوئی تھی۔ تقریب میں مہمان خصوصی پروفیسر خواجہ صادق حسین تھے۔ انہوں نے تصویر دیکھ کر آئی سرجن سے کہا اس پر خوش ہونے کی بجائے تمہیں شکر ادا کرنا چاہیے کہ تم گائناکالوجسٹ نہیں تھے۔

جہاں تک گلے کی بات ہے ڈاکٹر صاحب کئی گلوں کے گلوں میں راگ رنگ بھر رہے ہیں ان کے پاس کوئی گلوکار آئے کہ میرے گلے کے لیے کچھ دیں تو یہ فوراً غزل لکھ دیتے ہیں کہ صبح نہار منہ غزل سے غرارے کرنا' افاقہ ہو گا۔ گلوکاری کا ہمیں تو

اتنا ہی پتہ ہے کہ جو بات دوسرے کو کہتے ہوئے شرم آئے اسے گا دو۔ اردو ادب میں گلے کے زور پر کئی شاعرات ہوئیں گو ہریائی بھی گلے کے زور پر شاعرہ کہلائی یہ تو بعد میں عورتوں میں بند گلے کا ڈیزائن رواج پایا۔ پھر بھی آج کل خوبصورت شاعری وہ شاعری ہے جسے کوئی خوبصورت کرے۔ ایک شاعرہ نے کہا' لگتا ہے کہ اب میں بڑی سونی اور بھدی ہو گئی ہوں۔ پوچھا "آپ کیسے کہہ سکتی ہیں؟" کہا "اب نقاد میرے شعروں میں وزن کی غلطیاں نکالنے لگے ہیں۔" پروفیسر صاحب شاعری کو کام سمجھ کر کرتے ہیں۔ اس پر ہمیں اعتراض نہیں مسئلہ یہ ہے کہ وہ جب کام شروع کرتے ہیں تو پھر کام تمام کرکے چھوڑتے ہیں۔

رنگ ایسا کہ موٹے ہوتے تو اپنی ذات میں "انجمن" ہوتے۔ گفتگو میں اکثر اٹک جاتے ہیں ہم تو ٹرین پر اٹک جاتے ہیں۔ کار اس قدر احتیاط سے چلاتے ہیں کہ ٹریفک کانسٹیبل کو یقین ہو جاتا ہے کہ ان کے پاس ڈرائیونگ لائسنس نہیں ہوگا۔ طبیعت میں اس قدر حلیمی کہ رستہ بھی مانگ رہے ہوں تو لگتا ہے رشتہ مانگ رہے ہیں۔ کسی پر احسان کریں تو جتاتے ہوئے شرماتے ہیں جیسے انہوں نے احسان نہیں کیا احسان نے کچھ کیا ہے؟ غصہ اور تھوک تھوکتے نہیں۔ کوئی دوست پریشانی میں فون کرے تو کہیں گے' مجھے آیا سمجھیں۔ سنا ہے ان کے بچے انہیں آیا سمجھتے بھی ہیں۔ ہر کام محنت سے کرتے ہیں آرام بھی کر رہے ہوں تو لگتا ہے محنت کر رہے ہیں۔ پوچھا طالب علمی میں کبھی کلاس میں لیٹ گئے؟" کہا "ہمارے زمانے میں کلاس میں طلبہ آپ کی طرح لیٹ نہ جاتے تھے' بیٹھے رہتے تھے۔" موصوف امتحان کے دنوں میں نہانا اور کمرے سے نکلنا بند کر دیتے یوں طلبہ انہیں سونگھ کر اندازہ لگا لیتے کہ امتحان میں کتنے دن رہ گئے ہیں۔ ان دنوں پروفیسر صاحب صفائی کا اس قدر خیال رکھتے کہ تولیے سے منہ تک نہ پونچھتے کہ کہیں تولیہ میلا نہ ہو جائے۔ چارپائی پر بیٹھے رہتے جب تک چارپائی نہ بیٹھ جاتی۔ فائنل کے امتحان کے بعد جب کمرے سے نکلے تو ان کا تیس پونڈ کم ہو چکا تھا' بعد میں نہائے تو وزن مزید پانچ پونڈ کم ہو گیا۔

بحیثیت ڈاکٹر انھوں نے سگریٹ ختم کرنے میں بڑا اہم کردار ادا کیا۔ اب تو اتنے ماہر ہو گئے ہیں کہ بیس پچیس سگریٹ منٹوں میں ختم کر سکتے ہیں۔ شکر ہے ملک سے شراب ختم کرنے کا ارادہ نہیں کرلیا۔ ویسے شراب پینا چھوڑنے کا ایک ہی طریقہ ہے وہ یہ کہ شراب کو فریز کرلیا جائے۔ اور پھر اسے پینے کی بجائے کھایا جائے۔ ایک پنجابی فلم "رقعہ" لکھی پنجابی فلموں میں اچھل کود اتنی ہوتی ہے کہ ہماری فلمی ہیروئنوں کا دیوار دیکھتے ہی کودنے کو دل چاہنے لگتا ہے۔ مگر فلم میں وہ کوانتی کے بجائے کوالٹی کے قائل ہیں اگر کوانتی کے قائل ہوتے تو ان کی فلم کی ہیروئین "انجمن" ہوتی۔ کہتے ہیں میری دو کتابیں آ گئی ہیں۔ اور آ رہی ہیں۔ مگر اس انداز سے کہتے ہیں جیسے اطلاع نہیں دے رہے' دھمکی دے رہے ہیں۔ ڈاکٹری میں انھوں نے نام ہی کمایا۔ دام کے دام میں نہیں آئے۔ سو اب دوسرے پروفیسر ڈاکٹروں کے پاس شوگر فیکٹری' سوپ فیکٹری' ہولن فیکٹری بلکہ پتہ نہیں کون کون سی فیکٹری ہے۔ ان کے پاس کوئی فیکٹری ہے تو وہ ہے Satis-Factory

○○○

• بادام اور بے دام

ہمارے ہاں تین طرح کے سیاست دان ہیں نمبر 1 پہلی طرح کے نمبر 2 دوسری طرح کے نمبر 3 ہر طرح کے جبکہ اصغر خاں صاحب ہمارے اپنی ہی طرح کے سیاست دان ہیں ان کا قد ان کی پارٹی سے کئی انچ بڑا ہے۔ ہم نے عبادت کو سیاست بنایا وہ اپنی مثال آپ ہیں بلکہ دوسروں کی مثال بھی آپ ہی ہیں وہ ووٹروں کو کبھی مایوس نہیں کرتے جب بھی کرتے ہیں وہ ووٹر کرتے ہیں۔ انہیں الیکشن لڑنے میں جیتنے کا کبھی خطرہ نہیں ہوتا جیسے چھٹی دہائی میں سائنس دان غلام محمد موجد نے ایٹم بم ایجاد کیا اور اپنے ایجاد کردہ ایٹم بم کی سب سے بڑی خوبی یہی بتائی کہ اس سے انسان کو کوئی خطرہ نہیں ہوسکتا کہ یہ وہ بم ہے جو چلتا نہیں۔ بہرحال اصغر خان صاحب نے کہا ہے میں صدارتی الیکشن اس لئے لڑ رہا ہوں کہ ملک کا سستا ترین الیکشن ہے۔

سیاست سستی ہوئی لیکن پٹرول اور سیاست دانوں کی قیمتیں اتنی بڑی ہیں کہ آسمان کو ان سے باتیں کرنے کے لئے اوپر جانا پڑتا ہے ویسے تو سب سے زیادہ پیسے سستی شہرت حاصل کرنے میں ہی لگتے ہیں۔ سستا ترین الیکشن کتنا مہنگا پڑتا ہے اس کا ہمیں اندازہ نہیں۔ وہ دام سیاست میں بے دام آنا چاہتے ہیں۔ ایک بار بی بی سی کا نمائندہ خان عبدالغفار کا انٹرویو کرنے آیا خان صاحب نے کہا: دیکھو اگر تم ادب یا شاعری کی بات کرنا چاہتے ہو تو میرے بیٹے سے کرو' اگر سیاست پر بات کرنا چاہتے ہو تو ولی خان سے کرسکتے ہو اور اگر کوئی کام کی بات کرنا چاہتے ہو تو میرے ساتھ کرلو۔ اگرچہ اس کا راوی بڑا ضعیف ہے یعنی اسی نوے سال کا ہے ویسے بھی اردو میں راوی کہتا ہے اور پنجابی میں راوی بہتا ہے۔ راوی کہتا ہے اگر بادام کی بات کرنا ہے تو صدر اسحاق ہیں جو اس عمر میں بھی منہ سے بادام اور اسمبلی توڑ سکتے ہیں' دام میں آنا ہے تو اور بہت ہیں البتہ بے دام اصغر خان ہی ہیں۔ خان صاحب ان لوگوں میں سے ہیں جیسے ایک شخص

نے کہا "آج بارش ہوگی؟" واقعی اس دن بارش ہوئی کسی نے پوچھا آپ کو کیسے پتہ چلا، ہوا سے، پرندوں کے طور طریقوں سے یا آسمان کے ستاروں سے اندازہ لگایا ہے۔ کہا "نہیں! بہت آسان طریقہ ہے جس دن میں کھیت کو پانی لگاتا ہوں اسی دن بارش ہو جاتی ہے" یوں انہوں نے ہر الیکشن بڑی کامیابی سے ہارا۔ صرف 1993ء کا عام الیکشن نہ ہارے جس کی ایک وجہ یہ تھی کہ الیکشن بڑے شفاف تھے اور دوسری وجہ یہ تھی کہ وہ الیکشن میں کھڑے نہیں ہوتے تھے۔ ان کا سیاست میں بڑا تجربہ ہے پر تجربہ وہ کنگھی ہے جو زندگی ہمیں اس وقت دیتی ہے جب ہمارے بال جھڑ چکے ہوتے ہیں۔ انہیں قوم کا بڑا غم ہے جو پہلے اتنا بڑا نہ تھا کیونکہ غم بچے کی طرح ہوتا ہے اس کی پرورش کرو تو یہ بڑا ہو جاتا ہے۔ صدارتی الیکشن میں وہ واحد امیدوار ہیں جن پر پی پی پی اور مسلم لیگ نون بلکہ مسلم لیگ آخر تون میں بھی اتفاق رائے ہے۔ پی پی پی کہتی ہے یہ ہمارے نمائندے نہیں اور مسلم لیگ بھی یہی کہتی ہے۔ نوابزادہ نصر اللہ خان کا صدارتی الیکشن میں کھڑا ہونا ایسا ہی ہے جیسے قوال خود ہی وجد میں آجائے۔ بہرحال صدارتی امیدوار فضل الرحمان لاہوری صاحب کہتے ہیں مجھے صرف اصغر خان سے خطرہ ہے ٹھیک کہتے ہیں بقول ایک مزاح نگار مچھر ہاتھی کو کاٹ سکتا ہے ہاتھی مچھر کو نہیں کاٹ سکتا۔ فضل الرحمان لاہوری خود کو بڑا مضبوط امیدوار سمجھتے ہیں۔ کہتے ہیں میں اتنا مضبوط ہوں کہ بغیر تھکے چالیس گھنٹے سائیکل چلا سکتا ہوں۔ انہوں نے اپنی پوری زندگی میں جو مفید کام کیا وہ ہے ان کا صدارتی امیدوار ہونے کی اہلیت حاصل کرنا۔ یعنی 45 سال سے زیادہ عمر کا ہونا۔ فضل الرحمان کا آسان اردو ترجمہ "یا اللہ فضل" ہے اسی مقبول کے ہمارے صدر فضل الٰہی رہے ہیں وہ جب صدر بنے تو ہر پاکستانی کا چہرہ امید سے روشن ہوگیا تھا کہ اگر یہ صدر بن سکتے ہیں تو پھر میں بھی بن سکتا ہوں۔ یوں بھی اس پکی نوکری سے پکی نوکری اور کون سی ہوسکتی ہے جس کے لئے اگر کوئی کوالیفکیشن چاہیے تو وہ 45 سال کا ہونا ہے۔ لگتا ہے اسی وجہ سے کبھی کوئی خاتون

صدارت کی امیدوار کے طور پر سامنے نہیں آئی۔ ایک امریکی صحافی نے کہا تھا آج تک امریکہ میں کوئی خاتون صدر اس لیے نہیں بنی کہ صدر کے لیے دو باتیں ضروری ہیں' ایک یہ کہ وہ چالیس سے زیادہ ہو اور دوسری یہ کہ وہ جدھر چلے پوری قوم اس کے پیچھے چلے۔ سو پہلے تو کوئی خاتون چالیس سال سے زیادہ کی ہونے کا اعلان نہیں کرے گی اور اگر وہ چالیس سے اوپر کی ہو گئی تو اس کے پیچھے پوری قوم تو کیا ایک مرد بھی نہ آئے گا ویسے بھی جو خاتون یہ بتادے کہ اس کی عمر 40 سال سے زائد ہے اسے صدر بنانا ہی نہیں چاہیے وہ کوئی بات راز میں نہ رکھ سکے گی۔ ویسے ستر سالہ نینسی ریگن نے کہا ہے کہ اگر مجھے صدر بنادیا جائے تو میں ابھی 40 سال کی ہونے کے لیے تیار ہوں۔

کوئی ہم سے پوچھے کہ پاکستان کے صدروں کے بارے میں آپ کتنا جانتے ہیں؟ تو ہم یہی کہیں گے۔ اتنا جانتے ہیں جتنا وہ ہمارے متعلق جانتے ہیں۔ وہ بے اختیار اپنے با اختیار ہونے کا اظہار کرتے رہتے ہیں۔ ایسے ہی با اختیار صدر غلام محمد صاحب کو کسی نے مشورہ دیا کہ سر آپ فیصلہ سنا دیا کریں مگر اس کے حق میں دلائل نہ دیا کریں۔ کہا "وہ کیوں؟" جواب ملا "آپ کا فیصلہ تو مان لیا جاتا ہے مگر دلائل پر سب ہنس پڑتے ہیں۔" بہرحال زیادہ عمر کا صدر ہونے کا یہ فائدہ ضرور ہے بقول ضمیر جعفری اس عمر میں بندہ برا سوچ تو سکتا ہے برا کر نہیں سکتا بلکہ ایک بار صدر غلام محمد صاحب نے کہا مجھے یاد نہیں پڑتا کہ میں نے بحیثیت صدر کبھی جھوٹ بولا ہو۔ تو سننے والے نے کہا اس میں تعجب کی کیا بات ہے اس عمر میں حافظے کی یہی کیفیت ہوتی ہے۔

فضل الرحمان لاہوری صاحب بولتے وقت "کان" لفظ اور غصہ بہت کھاتے ہیں۔ تلفظ ایسا کہ منظور کو بھی من سور کہتے ہیں انہوں نے صدر بننے کے لیے جو تیاریاں کیں ان میں نیا جبڑا لگوانا' "جوروشور" سے صدری سلوانا شامل ہے مگر وہ صدارتی الیکشن میں صرف ایک ممبر کی وجہ سے ہار گئے وہ تھا تجویز کنندہ پوچھا اب آپ کس کو سپورٹ کریں گے کہا "اپنی ہی بیوی کو سپورٹ کروں گا۔"

صاحب! حق ہمیشہ غالب آتا ہے اور باطل بھاگ جاتا ہے اس لئے جو بھاگ جائے ہم اسے باطل کہتے ہیں۔ مگر اصغر خان تو ریس میں بھی بھاگتے نہ تھے۔ ایک دوست نے سیاست دانوں پر کتاب لکھنا تھی اس نے خان صاحب سے کہا میں نے کتاب کا نام رکھا ہے "سیاست دان کیسے بنا جائے؟ کہا نام رکھو" سیاست دان کیسے نہ بنا جائے؟ وہ بڑے مشہور سیاست دان ہیں کہتے ہیں کہ لوگ اب مشہور لوگوں کو پہچاننے بھی لگے ہیں۔ خان صاحب کا بے اختیار دل صدر بننے کو چاہتا ہے مگر بے اختیار صدر بننے کو دل نہیں چاہتا۔ وہ الیکشن لڑتے نہیں ہیں وہ تو بس کھڑے ہوتے ہیں اور ہمیشہ کھڑے ہی رہتے ہیں۔ اگر دوست ہوتا تو ہم ان کے گروپ میں شامل ہو جاتے کیونکہ ہمیں تنہائی پسند ہے۔

○○○

• جذبہ خیر سگالی

جب سے ہمیں پتہ چلا ہے کہ جاپانی ماہرین ارضیات کی عرضیات کے مطابق زمین سکڑ رہی ہے اور ہر سال چین اور جاپان 2.9 سینٹی میٹر قریب آرہے ہیں۔ ہمیں یہ لگنے لگا ہے کہ اگر اسی رفتار سے یہ سب ہوتا رہا تو جلد دونوں ممالک قریبی ہو جائیں گے' اگرچہ دور رہنے کا سب سے بڑا فائدہ یہی ہوتا ہے کہ کوئی نقصان نہیں ہوتا۔ بہرحال ان دونوں ملکوں کے حیات دان کئی دہائیوں میں اپنے ملکوں کو اتنا قریب نہ لاسکے تھے جس کی وجہ شاید یہ تھی کہ دونوں کے درمیان دنیا کا سب سے بڑا کال ہے۔ یعنی بحرالکاہل۔ جاپان اور چین FAR EAST کے ممالک ہیں اور FAR EAST کے بارے میں کسی دانشور نے کہا ہے:
"It is not Far Enough" وہاں کے باشندے اس نسل سے ہیں کہ ہر ماں کا لال' پیلا ہی ہوتا ہے۔ آنکھیں اتنی چھوٹی کہ آج تک انہوں نے کسی قوم کو آنکھیں نہیں دکھائیں۔ اپنے چھوٹے قد کی وجہ سے دن رات کام میں مصروف رہتے ہیں کہ فارغ ہوں گے تو قد کے بارے میں سوچ سوچ کر پریشانی ہوگی' پھر دونوں ملکوں میں اصل حکمران ایک ہے وہ ہے "گھڑی" اسے دیکھتے جاتے ہیں اور کام کرتے جاتے ہیں۔ ہمارے ہاں تو گھڑی صرف اس لئے دیکھتے ہیں کہ پتہ چل سکے کتنے لیٹ ہیں؟ ہمارے ہاں تو یہ جاننے کا علم کہ دوسرا کتنا لیٹ ہے پابندی وقت کہلاتا ہے اگرچہ جاپانی شہنشاہوں کو چینی اس قدر پسند ہے کہ وہ چینی کے بغیر چائے نہیں پیتے ہی نہیں چینی لیڈر بھی دن میں بار بار کہتے ہیں "جا۔۔۔ پانی لا" لیکن اس کے باوجود دونوں ملکوں میں جذبہ خیر سگالی پروان نہ چڑھا شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ خیر سگالی میں سگ کالی بھی ہے۔
دونوں ممالک کے اپنے اپنے مسائل ہیں' جیسے چین میں محکمہ صحت کو نئے ہسپتال کھولنے میں دشواریاں پیش ہیں پچھلے دنوں بیجنگ کے قریب ایک ہسپتال کا افتتاح کرنا تھا سارا

عملہ موجود تھا مگر مریض نہیں مل رہے تھے۔ سو بڑی مشکل سے کسی اور ہسپتال سے ادھار مریض لے کر افتتاح کرنا پڑا۔ پھر چین میں اعلیٰ افسروں کو ڈرائیونگ سیکھنا پڑتی ہے کیونکہ فی زمانہ سائیکل چلانے کے لئے ڈرائیور رکھنے کا رواج نہیں۔ ابن انشاء لکھتے ہیں وہاں مجرم عید کا چاند ہیں۔ بیجنگ کی عدالت عالیہ کے چیف جج نے کہا کہ ہمارے پاس تو مدت ہوئی کوئی کیس نہیں آیا' سو اگر آپ ہمارا عدالتی طریقہ کار دیکھنا چاہتے ہیں تو فلاں گاؤں کی عدالت میں ایک مقدمہ چل رہا ہے اور جج صاحب ابن انشاء کو لے کر اس گاؤں گئے۔ وہاں پہنچے تو پتہ چلا طلاق کا مقدمہ تھا اور ان کے آنے سے پہلے ہی فریقین میں صلح ہو گئی ہے۔

جاپان میں لوگ اتنے مصروف ہیں کہ جرم کرنے کے لئے لوگوں کے پاس وقت ہی نہیں ہوتا۔ وہاں 80 فیصد پہاڑ اور 20 فیصد درمیانی علاقہ ہے جہاں سو فیصد جاپانی آباد ہیں' یہ تو اچھا ہوا ان کا قد چھوٹا ہوتا ہے' ورنہ اتنی سی جگہ پر وہ کیسے رہ سکتے۔ اسی لئے رسالہ ٹائم' نے ایک بار لکھا تھا کہ وہاں نائٹ کلبوں میں رش کی وجہ سے خالی سیٹیں نہیں ملتیں۔ یوں بیچاری میزبانوں کو پرسیٹوں پر ہی بیٹھنا پڑتا ہے۔ وہاں تو کسی سے گھر کا رقبہ پوچھیں تو مربع انچوں میں بتاتا ہے۔ اگر آپ یہ جاننا چاہیں کہ غریب کیسے محسوس کرتے ہیں تو آپ چاہے کتنے بھی امیر ہیں چند دن جاپان کے کسی ہوٹل میں ٹھہریں' آپ خود محسوس کرنے لگیں گے وہاں سونے کے کمرے کا کرایہ سن کر لگتا ہے یہ کمرہ سونے کا بنا ہوا ہے۔ وہاں کانوں میں سونا ہوتا ہے یا نہیں اس کا تو علم نہیں البتہ ہمارے کانوں میں سونا ہوتا ہے۔ جی ہاں عورتوں کے کانوں میں' وہاں تو پہاڑوں سے لاوا اور سورج ہی نکلتا ہے۔ جہاں تک چین کا تعلق ہے کوئی پوچھے کہ چین میں سب سے زیادہ کیا ہے؟ تو ہم یہی کہہ سکتے ہیں "چینی۔" وہاں سے ہو کر آنے والے ہمارے ایک شاعر نے تو اطلاع دی ہے کہ چین میں عورتیں نہیں ہوتیں۔ تاہم مبینہ شاعر کے ساتھی نے بتایا موصوف کو وہاں ایک لڑکی بھائی تو موصوف نے محترمہ کو یہ بتایا جس پر وہ بولی میں بھائی نہیں لڑکی ہوں۔ چین اور جاپان کے لوگ بڑے امن پسند

اور امن پسند ہیں۔ اگر لڑ بھی پڑیں اور بات گولی تک جا پہنچے تو یقین کرلیں وہ گولی سر درد کی ہی ہوگی۔ اسکے باوجود دونوں ممالک دور دور رہے۔ سنا ہے کہ جاپان کے شہنشاہ اکی ہیٹو اپنی زندگی میں دونوں کو قریب بلکہ مقریب دیکھنا چاہتے ہیں۔ ویسے جتنی جاپانی شہنشاہوں کی لمبی عمریں ہوتی ہیں اس حساب سے تو ہمیں امید ہے کہ دونوں ملک اگر 29 سینٹی میٹر سالانہ کے حساب سے بھی قریب آتے گئے تو اکی ہیٹو کی زندگی میں ہی یہ ممکن ہوجائے گا۔

○○○

• زن دان

ڈاکٹر شفیق الرحمان نے کہا تھا یہ کتنی عجیب بات ہے کہ بندے کو پسند تو خاتون کے گال کا تل آتا ہے' مگر اسے شادی پوری خاتون سے کرنا پڑتی ہے۔ ایسے ہی ہیں پسند تو بلجیم کی جیلیں ہیں اور تعریف ہم پورے بلجیم کی کرتے رہتے ہیں اگرچہ وہاں اتنے جرائم ہوتے ہیں کہ لوگ اس ڈر سے پستول لے کر گلی میں نہیں نکلتے کہ کوئی چرا کر نہ لے جائے' لیکن وہاں جرائم پیشہ لوگوں کے علاوہ شرفاء کو جیل پہنچانے کا بھی انتظام ہے۔ سڑکوں پر لکھا ہوتا ہے کہ آپ شہر میں آہستہ گاڑی چلائیں اور شہر کی سیر کریں۔ پھر جیلوں میں قیدیوں کو ہفتہ وار تعطیل ملتی ہے' سنڈے کو آف ڈے ہوتا ہے۔ جس کے بعد ڈے آف رہتا ہے' اسی لئے وہاں بندہ جیل بھی یوں جاتا ہے جیسے ہمارے ہاں دفتر جاتا ہے۔ بلجیم کا موسم ایسا ہے کہ سب سے گرم وہاں عورت ہی ہے۔ البتہ خاوند اتنے ٹھنڈے مزاج کے ہیں کہ بیویوں سے پوچھو کہ آپ نے کون کون سے گلیشیئر دیکھے ہیں؟ تو وہ جو جو نام لیں گی اس میں ان کے خاوند کا نام بھی شامل ہوگا۔ اگر وہاں گرمیاں ہوتیں تو ہمیں یقین ہے قیدیوں کو گرمیوں کی چھٹیاں ملا کرتیں' لیکن اس کے باوجود وہاں کی جیلیں عبادت گاہوں کا منظر پیش کرتی ہیں' یعنی خالی رہتی ہیں۔ بلجیم حکومت لوگوں کو متوجہ کرنے کے لیے نت نئے اعلانات کرتی رہتی ہے۔ گذشتہ دنوں انہوں نے کہا کہ جیلوں میں قیدی اپنی بیویاں بھی رکھ سکیں گے۔

صاحب! جو اپنی بیوی سے نہیں ڈرتا یقین کریں' وہ غیر شادی شدہ ہے اور بلجیم میں تو بقول آسکر وائلڈ کنوارے شادی شدوں کی طرح رہ رہے ہیں اور شادی شدہ اتنے رہ نہیں رہے جتنے رہ گئے ہیں۔ عورت کے وہاں اتنے حقوق ہیں کہ مرد کو صرف یہ حق ہے کہ وہ مستحق ہے' عورتوں کی دو زبانیں ہیں ایک فرانسیسی اور دوسری ولندیزی۔ حالانکہ عورت کو بولنے کے لیے ایک زبان ہی کافی ہوتی ہے۔ وہاں تو گھر میں عورت ہی خاوند

ہوتی ہے۔ سو ہمیں یہ سمجھ نہیں آرہی کہ قیدیوں کو بیویاں ساتھ رکھنے کی سہولت دی گئی ہے یا یہ سزا ہے۔ ممکن ہے پولیس کو یہ شک ہوا ہو کہ وہاں مرد جرم صرف کرتے ہی اس لیے ہیں کہ جیل جا کر بیوی سے دور رہنے کا موقع ملے گا۔ گھر اور جیل میں یہی فرق ہوتا ہے' کہ وہ مکان جس میں بیوی ساتھ نہ ہو جیل کہلاتا ہے۔ یہ بھی ممکن ہے جیلیں خالی پڑی رہنے کی وجہ سے حکومت انہیں گھر بنانا چاہ رہی ہو۔

بلجیم میں کرسی پر بیٹھ کر کرنے والے کام عورتیں کرتی ہیں یہ الگ بات ہے کہ وہاں کسی دفتر کے مالک سے پوچھو "آپ کے ہاں کتنی عورتیں کام کرتی ہیں؟" کہے گا "ہر دس میں سے ایک" اسی لئے ہمارے ہاں ہسپتالوں میں یہ شکایت ہوتی ہے کہ یہاں ڈلیوری کا خاطر خواہ انتظام نہیں' وہاں ایسی شکایتیں ڈاکخانوں میں بھی ہوتی ہیں۔ وہاں کے گھروں کا ماحول ایسا ہی ہے جیسے ایک صاحب حبیب جالب صاحب کے گھر گئے۔ جالب صاحب کی بیوی نے کہا وہ تو گھر نہیں آئے۔ وہ صاحب بولے مگر مجھے تو وہ ابھی یہ کہہ کر آئے تھے کہ میں جیل جا رہا ہوں۔ شاید اسی لئے شادی کو عمر قید کہتے ہیں۔ ایک غیر ملکی دانشور کہتا ہے شادی میں ایک آقا ایک ملکہ اور دو قیدی ہوتے ہیں جن کا ٹوٹل دو بنتا ہے۔ بلجیم کی ایک شاعرہ سے کسی نے پوچھا آپ نے ابھی تک شادی کیوں نہیں کی؟ اس نے کہا میرے گھر میں ایک کتا ہے' جو ہر وقت غراتا ہے' آتش دان ہے جو ہر وقت دھواں دیتا ہے' طوطا ہے جو دن رات مجھے برا بھلا کہتا ہے۔ اور ایک بلی ہے جو اکثر رات کو گھر نہیں آتی اب بتاؤ میں کس لیے شادی کروں۔

"جیلیں انسان کو سزا دینے کے لئے ہیں اور سزا یہ ہے کہ آپ کو وہ کچھ نہ دیا جائے جو بے آرام کرے۔ شاید بلجیم حکومت اسی لئے بیویاں ساتھ رکھ رہی ہے۔ ویسے بھی اتنی تکلیف اور اذیت کوڑے پڑنے سے نہیں ہوتی جتنی یہ سوچ کر ہوتی ہے' کہ مجھے کوڑے پڑ رہے ہیں۔ مشتاق احمد یوسفی کے عبدالودود بیگ کسی پہاڑی مقام پر ہوٹل میں کمرہ لینے گئے تو سامنے یہ لکھا دیکھا "ہوٹل ہذا میں آپ کو گھر کا ماحول ملے گا" تو

یہ کہہ کر واپس آ گئے کہ اگر گھر کا ماحول ہی چاہیے تھا تو پھر ہمیں پہاڑی مقام پہ آنے کی کیا ضرورت تھی؟ سو لگتا ہے جیلوں میں گھر کا ماحول پیدا کرنے کی کوششیں کی جارہی ہیں' یوں زندان کو ان دان بنایا جارہا ہے۔ ویسے ہمیں اس کی سمجھ نہیں آئی کہ اس کے بعد سے بلجیم میں جرائم کی شرح میں کمی کیوں ہونے لگی ہے۔

○○○

• ہلال و حرام

جب سے امریکہ کے ریاضی دان پروفیسر الیگزینڈر نے کہا ہے کہ محترمہ زمین کا جھکاؤ سورج کی طرف بہت بڑھ گیا ہے جس کی وجہ سے شدید موسم اور دیگر آفات نازل ہو رہی ہیں' اس لئے ایٹمی دھماکے سے چاند کو تباہ کر دیا جائے۔ تب سے ہمیں جو بھی چاند نظر آتا ہے اسے اپنی حفاظت میں لینے کی کوشش کرتے ہیں۔ چاند میں ہمیں آج تک یہی خامی نظر آئی کہ چاند معشوقوں یا درمشکوکوں کی طرح رات کو نکلتا ہے۔ رات بھر یہی سوچ کر پریشان رہتے ہیں مگر صبح ہمیں پریشانی نہیں ہوتی جس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ صبح کے وقت ہم سوئے ہوتے ہیں۔ سنا ہے چاند بیچارہ ریاضی دانوں کے ڈر سے رات کو نکلتا تھا' مگر ریاضی دانوں نے تارے گنتے گنتے یہ نیا چاند چڑھانے کا فیصلہ کرلیا ہے۔ ہم نے سوچا تھا چاند تباہ کرنے کی بات پر شاعر آسمان سر پر اٹھا لیں گے مگر جب پشاور کے ایک صحافی نے اللہ دتہ ناواقف صاحب کو بتایا کہ چاند تباہ کردی جائے گی' تو ناواقف صاحب نے کہا اس میں تو سنگین غلطی ہے۔ پوچھا کیا؟ کہا "تذکیر و تانیث کی سنگین غلطی ہے چاند مذکر ہوتا ہے۔" لیکن بھلا ہو مولانا محمد خادم نقوی صاحب کا جنہیں اکثر لوگ مولانا محمد خادم نقوی صاحب کہتے ہیں انہوں نے فرمایا ہے کہ ہلال کو یوں حلال کرنا حرام ہے اور امریکیوں کو اس کی ہرگز اجازت نہ دیں گے۔ ہمیں یقین ہے کہ جب امریکی ان کے یہ اجازت لینے آئیں گے تو مولانا انہیں ہرگز نہیں دیں گے۔ ظاہر ہے چاند نہ ہوگا تو یہ کیسے پتہ چلے گا کہ آج چاند کی کتنی تاریخ ہے؟ ابن انشاء کے بقول تو عید کا پیغام لانے کے علاوہ چاند کا کوئی خاص مصرف نہیں' شاعر اور چکور اس سے باتیں کرلیتے ہیں یا پھر ان بستیوں میں جہاں بجلی نہیں لالٹین کا کام دیتا ہے۔ تاہم لالٹین والی بات پر واپڈا ہی روشنی ڈال سکتا ہے۔

ایک زمانہ تھا تاج برطانیہ کا سورج کبھی غروب نہیں ہوتا تھا' اب وہاں کئی کئی دن سورج

نکلا ہی نہیں' اگر وہاں کوئی "ڈیلی سن" کے تو یقین کرلیں وہ روزانہ سورج کے بجائے روزانہ اخبار کا ذکر کر رہا ہے۔ سورج سے ذاتی طور پر ہمیں یہی شکایت ہے کہ صبح بہت جلد نکل آتا ہے۔ مغرب صدیوں سے ہر شام سورج کو غروب کرتا ہے مگر ہم نے کبھی اعتراض نہ کیا۔ ویسے بھی سورج دن کو نکلتا ہے اور دن کو ہمیں روشنی کی اتنی ضرورت نہیں' اس لیے سورج نہ بھی نکلے تو کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ یوں بھی سورج اور اپنی غلطیوں پر نظر رکھنے سے نظر نہیں رہتی اور اپنے چاند پر نظر نہ رکھیں تو چاند اپنا نہیں رہتا۔ ہمارے ہاں تو چاند کو چندا ماموں بھی کہتے ہیں' اسی لئے جب امریکی پہلی بار چاند پر اترے تو ہمارے ایک مولوی صاحب کا پارہ یوں چڑھا جیسے وہ ان کے ماموں کے ہاں اترے ہوں۔

محبوب کو تحفہ دینا ہمیشہ سے مسئلہ رہا ہے ایک بار رنگیلے نے کسی سے پوچھا' میں محبوب کو کیا تحفہ دوں جو اسے پسند آئے؟ سننے والے نے کہا "آپ محبوب کو پسند ہیں؟ رنگیلے نے کہا "ہاں" تو اس نے جواب دیا "پھر اسے کچھ بھی دے دیں اسے پسند آئے گا" لیکن جب عاشق محبوب کو کچھ نہ دینا چاہیں تو اسے چاند سے پار لے جانے کی باتیں کرتے ہیں۔ چاند کو محبوب کی خاطر زمین پر اس لئے نہیں لاتے کہ اسے رکھیں گے کہاں؟ اگرچہ عاشق جلتے چاند تباہ کرنے کی خبر سے بھلے چنگے پریشان ہوئے ہیں مگر عاشقوں کا کیا بھروسہ وہ محبوب کی خاطر تارے توڑنے کی بات کرسکتے ہیں تو چاند توڑنے کی بھی کرسکتے ہیں۔ پھر جیسے شراب پینے کا یہ فائدہ ہوتا ہے کہ آپ کو پارکنگ کے لئے جگہ تلاش کرنے میں دشواری نہیں ہوتی' ایسے ہی رات کو چاند نہ ہو تو عاشقوں کو چاند چڑھانے کا موقع مل جاتا ہے۔ حکیم عطا بن مقنع نے تو چاہ نخشب سے دن کو چاند چڑھا دیا تھا۔

ہمیں لگتا ہے ماہرین اجرام فلکی چاند کے حسن سے جلتے ہیں۔ یاد رہے یہاں اجرام جرم کی جمع نہیں ہے' تاہم ہمارا ارادہ ہے کہ "چندا بچاؤ مہم" شروع کی جائے جس میں آپ دل کھول کر چندہ دیں۔ کیونکہ اگر کچھ ہو گیا' تو نوابزادہ نصر اللہ خان نے اپنی

اور حلقے کی ٹوپی درست کرتے ہوئے یہی کہتا ہے یہ جمہوریت کے خلاف سازش ہے۔ محترمہ بے نظیر صاحبہ یہ بیان دے دیں گی کہ یہ سب نواز شریف حکومت کی نااہلیوں کا نتیجہ ہے اور نواز شریف زیادہ سے زیادہ یہی کہیں گے کہ چاند کو تباہ کرنے کی کیا ضرورت تھی اسے پرائیویٹ سیکٹر میں دے دیا جاتا۔

○○○

- ## نسوار خانم

نسوار کو دیکھ کر ہم تو یہی کہہ سکتے ہیں کہ یہ وہ نشہ ہے جسے منہ میں ڈالنے کے لیے بھی بندے کو نشے میں ہونا چاہیے' جیسے لوگ اپنی نالیاں اور نیکیاں دریا میں ڈال دیتے ہیں' ایسے ہی ہم سمجھتے ہیں نسوار منہ میں وہ رکھتے ہیں جن کے پاس اسے رکھنے کے لئے کوئی بہتر جگہ نہیں ہوتی۔ سنا ہے پہلے اسے پریاں کھایا کرتیں۔
ہمارے سامنے تو کوئی پری بھی اسے کھائے تو ہم اسے پری کی بجائے پرے پرے! ہی کہیں گے وہ پری نہیں خانہ پری ہے' جس کے چہرے پر زیر لب مسکراہٹ کی بجائے زیر لب نسوار ہو۔ آج کل ہم نسوار کو پٹھانوں سے چھڑوانے کا سوچ ہی رہے تھے کہ مختصر پشتو فلموں کی تفصیلی اداکارہ نے اخباری بیان دے دیا کہ میرا رقص دیکھ کر پٹھان نسوار منہ میں ڈالنا بھول جاتے ہیں اس اداکارہ کا رقص دیکھ کر تو لگتا ہے جیسے کوئی وحشی شاہین' مسرت کا اظہار کر رہا ہو۔ ایک ماہر مرگی کے مطابق رقص میں ایسا فٹ لباس پہنتی ہیں کہ دیکھنے والوں کو فٹ پڑنے کا اندیشہ رہتا ہے۔ اگرچہ ہالی وڈ کی فلموں میں بھی کسی اداکارہ سے پوچھو کہ جس دن شوٹنگ کینسل ہو جائے گھر جا کر آپ کیا کرتی ہیں تو یہ کہے گی سب سے پہلے الماری سے پہننے کے لیے کپڑے نکالتی ہوں۔ ہماری پشتو میں تو ہیروئن پرینٹ کو پینٹ کر دیا جاتا ہے۔ اکثر فلمساز فلم بنانے کے لیے چھوٹی بچی کے کپڑے لیتے ہیں' اس میں سب سے بڑی ہیروئین ڈال کر سکرین پر انڈیل دیتے ہیں۔ جیسے اردو شاعری میں جو تراکیب استعمال ہوتی ہیں۔ ایسے ہی اس اداکارہ کا رقص دیکھ کر لگتا ہے وہ اپنے قریب ہونے کی کوشش کر رہی ہے۔ رقص اعضاء کی شاعری ہے مگر پشتو فلمی رقص' دیکھنے والے کے اعضاء شاعر ہوتا ہے۔ مشہور عالم امریکی ڈانسر اگنس ڈی ملی نے کہا ہے کہ اچھی تعلیم رقص کے لئے نقص ہے' کیونکہ رقص

کے لئے سر سے زیادہ پنڈلیوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ بقول یوسفی ایران میں نسوانی حسن کا معیار چالیس صفات ہیں۔ مشہور ہے کہ فرہاد کی شیریں میں انتالیس صفات موجود تھیں چالیسویں صفت کے بارے میں مورخ خاموش ہیں۔ لہذا گمان ہے اس کا تعلق چال چلن سے ہوگا۔ ایسے ہی پشتو فلمی رقص کی دس صفات ہیں جس میں پہلی نو کا تعلق یوسفی صاحب کی بیان کردہ انتالیس کا چالیسواں ہے' جبکہ دس نمبری رقاصہ کے لیے سب سے آخری شرط موٹا ہونا ہے کہ پشتو فلمی ہیروئین کسی گنتی میں آئیں نہ آئیں تول میں پوری ہوتی ہیں۔ وہاں تو محاورہ ہے پہلے تولو پھر بولو۔

ہمیں یہ تو پتہ نہیں سب سے پہلے نسوار کس نے دریافت کی' یہ پتہ ہے کہ آج کل پشاور میں ہر تیسرا شخص اسی کے بارے میں دریافت کررہا ہوتا ہے۔ وہاں تو لوگوں کے ہاں تھوکنے کے لئے اگال دان نہیں نسوار ہوتی ہے۔ کہتے ہیں نسوار لینے سے ڈبی پر ہمیشہ شیشہ لگا ہوتا ہے تاکہ بندہ دیکھ سکے کہ اس نے نسوار ہی منہ میں ڈالی ہے جیسے پولیس گن مین سے انسٹرکٹر نے پوچھا:

"گن لوڈ کرتے وقت سب سے پہلے کیا دیکھنا چاہیے؟"

تو اس نے کہا۔

"گن کا نمبر تاکہ پتہ چل سکے کہ اپنی ہی گن لوڈ کررہے ہیں۔"

سنا ہے نسوار کھانے سے مچھر نہیں لڑتے' واقعی نسوار کھانے کے بعد مچھر آپس میں نہیں لڑتے۔ سگریٹ پینے سے منہ اور ناک سے دھواں نکلتا ہے' جبکہ نسوار سے کانوں سے دھواں نکلتا ہے۔ یہ بھی تحقیق ہے کہ نسوار کھانے سے بندے کا سر مضبوط ہو جاتا ہے۔ ہم نے پوچھا اس کا فائدہ؟ جواب ملا' پھر نسوار کھاؤ تو چکر نہیں آتے۔ ویسے ہم خود چکر میں پڑ گئے ہیں کیونکہ ثرید اور نسوار کے ذکر ہی سے پٹھانوں کے منہ میں پانی بھر آتا ہے۔ انہیں رنگ تک نسواری پسند ہے' ویسے پٹھان ہمیشہ دشمن کو منہ میں رکھنے والی قوم ہیں۔ شاید اس لئے نسوار کو منہ میں رکھتے ہیں تاکہ اسے موقع ملے اور وہ ان کا دماغ چرالے' لیکن غریب پٹھان ہمیشہ سے فشی اور منشیات سے تنگ ہے۔ ہمارے کئی

جاننے والے نسوار چھوڑنے پر راضی ہیں اور کہہ رہے ہیں ہمیں اس اداکارہ کا رقص دکھایا جائے تاکہ ہم نسوار کو بھول سکیں، لیکن ہمیں خدشہ ہے کہ اگر آج انہیں دکھا بھی دیا تو وہ کل پھر آسکیں گے کہ کچھ انتظام کرو ہم آج پھر نسوار چھوڑنا چاہتے ہیں۔ ممکن ہے وہ اس عادت بد سے نجات کے لئے مستقل موقع فراہم کرنے کو کہیں۔ سنا ہے اداکارہ کا حسب سابق خاوند ہر گھنٹے بعد نسوار کی چٹکی لیتا ہے، یوں ہی من چٹکیوں میں کٹ گیا۔ تاہم بعد میں اس نے کبھی نسوار کو منہ نہ لگایا، ناک میں رکھنے لگا۔ کسی نے کہا ہمیں پتہ چلا ہے کہ آپ کو جب موقع ملے نسوار لے لیتے ہیں تو وہ بولا موقع ملے تو نسوار نہیں لیتا ہاں موقع نہ ملے تو لے لیتا ہوں۔ مگر یہ بھی سنا ہے بعد میں اس نے بالکل نسوار چھوڑ دی تھی مگر اسے ہیروئین لگ گئی تھی اور کئی وکیلوں نے بمشکل اسے اس ہیروئین سے چھڑوایا تھا۔

ooo

• ڈیانا کیپلیکس

صاحب' ابھی ابھی ایک خط نے ہمیں وصول کیا ہے' اگرچہ سیانے کہتے ہیں جوانی میں خط سنبھال کر رکھو تو وہ بڑھاپے میں آپ کو سنبھال کر رکھتے ہیں' مگر پھر بھی ہم سمجھتے ہیں سب سے اچھے خط وہ ہوتے ہیں جنہیں پڑھ کر پھاڑ دیا جائے' یوں ہمیں اچھے خط نہیں آتے۔ پہلی بات آج سے دس بارہ سال قبل خط آیا تھا اور ہم نے خط بنانے کی بجائے شیو شروع کر دی۔ خود کسی کو خط اس لئے نہیں لکھا کہ ہم اتنے بد خط ہیں کہ بچپن ہی سے ہماری لکھائی دیکھ کر لوگوں کو شک تھا کہ ہم بڑے ہو کر ڈاکٹر بنیں گے۔ اگرچہ ہمیں ایک دوست نے بڑا قیمتی لیٹر اوپنر یہ کہہ کر دے رکھا ہے کہ "اب مجھے لیٹر اوپنر کی ضرورت نہیں رہی کیونکہ میری تو شادی ہو گئی ہے' اب یہ تم لے لو" آج اس کے استعمال کا موقع بھی آیا تو جاوہ کن خط سے ایک اقتباہ نکلا ہو یہ تھا کہ 1351ء کے ٹریزن ایکٹ کے تحت جب تک طلاق نہ ہو کوئی دوسرا مرد شہزادی ڈیانا سے شادی نہیں کر سکتا اگر کوئی خلاف ورزی کرے گا تو اس کی سزا موت ہے۔ الحمدللہ ہم مسلمان ہیں اور مسلمان موت سے نہیں ڈرتا' پھر بھی ہم اس خط کو ذاتی معاملات میں مداخلت سمجھتے ہیں جی ہاں چارلس اور ڈیانا کے ذاتی معاملات ہیں' جہاں تک ان کی علیحدگی کی بات ہے تو ساری دنیا میں علیحدگی پسندی کی تحریکیں اٹھ رہی ہیں۔ ہم حلفیہ کہتے ہیں ڈیانا اور چارلس کی طلاق کی وجہ وہ نہیں ہے جو خط لکھنے والے نے لکھی ہے یوں ہم مکتوب الیہ بلکہ معتوب الیہ نہیں ہیں۔ ڈیانا اور چارلس کی طلاق ہونے کی واحد وجہ یہ ہے کہ ان کی شادی ہوئی تھی' لوگ کہتے ہیں چارلس اتنا معمر ہو گیا تھا کہ اسے ڈیانا کا نام بھی یاد نہ رہتا' حالانکہ اگر خاوند کو اپنی بیوی کا نام بھولنے لگے تو اس سے خاوند سے زیادہ بیوی کے معمر ہونے کا پتہ چلتا ہے۔ البتہ بندے کو دوسروں کی بیوی کا نام بھولنے لگے تو سمجھ لیں وہ بوڑھا ہو گیا ہے۔ ڈیانا تو خود کشیدہ

کاری کی ماہر تھیں' یوں حالات کشیدہ اور کاری ہوتے گئے پھر اب وہ زمانہ نہیں جب کہانی کا اختتام یوں ہوتا ہے "پھر شہزادہ شہزادی علیحدہ ہو کر ہنسی خوشی رہنے لگے۔" مغرب کے رشتے تو بس اتنے پائیدار ہیں کہ زیادہ سے زیادہ یہی کہا جاسکتا ہے۔

اک ذرا سی بات پر برسوں کے یارانے گئے

انگریز خواتین میں یہی خوبی ہے کہ وہ تو گالی دینے کے لئے بھی منہ نہیں تھجکے ہی کھولتی ہیں۔ لندن میں تو کتے بھی کسی اجنبی پر اس وقت تک نہیں بھونکتے جب تک اس کا ان سے تعارف نہ کروایا جائے جبکہ ہمارے ہاں تو کوئی کہے کہ میں ایسی خاتون سے شادی کرنا چاہتا ہوں جسے میں جو مرضی کہوں وہ آگے سے ایک بار بھی جواب نہ دے تو دوسرا سمجھتا ہے یہ ٹیلی فون آپریٹر سے شادی کرنا چاہتا ہے' ڈیانا کی خوبصورتی اس کی خاموشی میں ہے وہ بڑی سیدھی سادھی بلکہ سیدھی سیدھی ہے' اس کے نام پر وہاں ایک جہاز کا نام رکھا گیا تو سارا دن سوچتی رہی کہ اس میں اور مجھ میں کونسی مماثلت ہے۔ یاد رہے جہاز کے پہیے کمزور تھے اور وہ بال برداری کے کام آتا تھا۔ وہاں ایک کمپلکس کا نام فرگوسن کمپلکس بھی رکھا گیا کیونکہ اس میں صرف کروڑ پتی تاجر ہی قیام کرتے تھے۔ اگرچہ فرگوسن ٹریکٹر تو اب بھی مارکیٹ میں ہیں جن کی خوبی یہ ہے کہ غلط راستوں پر بھی صحیح چلتے ہیں۔ اب فرگوسن کمپلکس کو ڈیانا بنا دیا گیا' پوچھا یہ کیسے کیا؟ تو جواب ملا عمارت کی اوپر والی منزل خالی کر کے' اگرچہ ڈیانا نے کہا ہے یہ میرا نہیں لوگوں کا کمپلکس ہے۔ شہزادی کی طلاق کا سن کر صرف ایک بندہ

رنجیدہ ہوا اور وہ شہزادہ ولیم ہے' ماں باپ کو سمجھا بھی نہیں سکتا یہ اس لئے مشکل ہے کہ بچوں کو ماں باپ جب ملتے ہیں تب وہ اتنے بڑے ہو چکے ہوتے ہیں کہ بچوں سے ان کی تربیت نہیں ہو سکتی۔ اگرچہ اس کی ضرورت ہمیشہ سے رہی ہے۔ 301 قبل مسیح کا فلاسفر زینو تو اپنی درس گاہ میں کسی نوجوان کو گھسنے نہ دیتا تھا کہتا سمجھانے کی ضرورت صرف پکی عمر اور پختہ کار لوگوں کو ہوتی ہے۔

ڈیانا کی طلاق کی خبر پہنچتے ہی لوگوں نے اس کافر حسینہ کو چار کلمے پڑھانے کا سوچنا شروع کر دیا تھا۔ اسی لیے مغربی پریس نے زیرین ایکٹ والی وارننگ مسلم ممالک بالخصوص عرب ممالک میں فوراً شائع کروادی تاکہ کوئی بے خبر نہ مارا جائے' اگرچہ ہمارے ہاں کی شادی میں ان کے ہاں سے زیادہ شادی ہوتی ہے لیکن وہ ہماری کوالٹی کی بجائے کوانٹیٹی پر ہی نظر رکھتے ہیں' ہمارے ایک معروف سفر نامہ نگار سے ایک مغربی خاتون سے پوچھا آپ کی کتنی بیویاں ہیں؟ اس نے کہا "ساڑھے تین تو" وہ حیران ہو کر بولی "ساڑھے تین سو' اتنی کیوں؟" کہا "اس لئے کہ میں وہاں کا غریب بندہ ہوں اس سے زیادہ افورڈ نہیں کر سکتا" ہم ڈاکخانے کو خطوں کا قبرستان کہتے ہیں اگرچہ اردو ادب میں ڈاکیے کو نامہ بر کہا گیا ہے لیکن پنجابی زبان میں نامہ بر کے لیے ایک برا سا لفظ ہے ہمیں یہ اسی کی شرارت لگتی ہے' ویسے بھی ہم جب سے نئے کمرے میں شفٹ ہوئے ہیں ڈاکیا پہلے رہنے والے صاحب کے خط بھی اندر ڈال جاتا ہے۔ ایک دن ہم نے کہا یہ ڈاک تم غلط پتے پر کیوں پھینک جاتے ہو' تو کہنے لگا میں تو صحیح پتے پر ڈاک پھینکتا ہوں آپ غلط پتے پر رہ رہے ہیں۔ ہمیں لگتا ہے یہ خط غلام مصطفیٰ کھر کا ہے جو غلطی سے ہمیں مل گیا ہے۔ بہرحال اس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ ہمارے ہاں غلطیوں کا معیار بہتر ہو گیا ہے۔

Miss NUI-WORSE •

صاحب! جیسے خواتین کو ملازمت کرنے سے روکنے کے لئے کچھ ماہ قبل اسلامی نظریاتی کونسل نے یہ تجویز پیش کی تھی کہ صرف ان عورتوں کو ملازمت کی اجازت دی جائے جن کی عمر تیس سال سے زیادہ ہو۔ گویا نہ کوئی تیس سال سے زیادہ کی ہونے کا اعلان کرے گی نہ ملازمت کی بات کرے گی۔ کچھ ایسا ہی جناب نواز شریف صاحب نے فلموں میں کلاشنکوف پر پابندی کا اعلان کرکے کیا کیونکہ جس فلم میں کلاشنکوف نہ ہو گی وہ فلم ہی نہ ہو گی۔ ہمیں یاد ہے ایک ہدایت کار نے کہا کہ فائٹ کے بغیر فلم بناؤں گا۔ اس نے جو فلم بنائی اس میں کوئی فائٹ نہ تھی صرف پہلے شو کے آخر میں ایک فائٹ تھی جو ہدایت کار اور فلم ساز کی تھی۔ صاحب! فلم ہیرو کے بغیر تو چل سکتی ہے مگر کلاشنکوف کے بغیر نہیں۔ کلاشنکوف ہماری ہی فلموں کی معروف "ہیروئن" نہیں بلکہ وہ تو "MISS UNIWORSE" ہے۔ ہماری تو پنجابی فلم کے ہیرو کے میک اپ کے سامان میں مونچھیں اور کلاشنکوف شامل ہوتی ہے۔

روس نے دنیا کی آبادی کم کرنے کے لئے جو طریقے اختیار کیے ان میں کمیونزم اور کلاشنکوف شامل ہیں۔ مسٹر کلاشنکوف بیمار تھے جب انہوں نے یہ مہلک ہتھیار ایجاد کیا شاید اسی لئے ڈاکٹر کہتے ہیں بیماری کی حالت میں کام نہیں کرنا چاہیے۔ موصوف ہر وقت غصے سے کھولتے رہتے۔ کھولتے رہنے کا بس یہ فائدہ ہے کہ کھولتی چیز میں بیماری پیدا کرنے والے جراثیم زندہ نہیں رہتے۔ اپنی اس ایجاد کا بتانے جب وہ اٹھ کر صحن میں آئے تو زمین پر گر پڑے اور مٹی چوم لی۔ کسی نے پوچھا یہ آپ نے وطن کی مٹی کی محبت کی وجہ سے کیا؟ آپ کہتے ہیں نہیں کیلے کے چھلکے کی وجہ سے کیا۔ مسٹر کلاشنکوف آج کل یہ تحریک چلا رہے ہیں کہ کلاشنکوف حقیقی زندگی میں استعمال نہ کی جائے بس فلموں میں ہی چلائی جائے لیکن ہمارے وزیر اعظم جناب نواز شریف صاحب

نے کلاشنکوف کے فلموں میں استعمال پر پابندی لگا دی ہے۔ صاحب! اب ایسے ایسے ہتھیار بن رہے ہیں کہ کوئی ہم سے پوچھے کہ آپ کی کیا خواہش ہے اگلی صدی میں دنیا ہونی چاہیے۔" آئن سٹائن سے کسی نے پوچھا "تیسری جنگ عظیم میں کون سے ہتھیار استعمال ہوں گے تو انھوں نے کہا اس کا تو مجھے پتہ نہیں البتہ چوتھی جنگ عظیم میں جو ہتھیار استعمال ہوں گے وہ تیر کمان ہوں گے۔ آج کل دنیا میں تشدد کی بجائے عدم تشدد کے لئے زیادہ ہتھیار چاہیں۔ دنیا بھر میں اسلحے کا استعمال اتنا بڑھ گیا ہے کہ امریکہ میں اکثر بچے اسلحہ لے کر سکول جاتے ہیں جس کی وجہ سے تو سنا ہے' یہ ہے کہ استاد طلبہ سے آؤٹ آف کورس اور مشکل سوال پوچھتے ہیں مثلاً آپ کے والد کا نام کیا ہے؟ لیکن اس دور میں بھی ادیب مانتے ہیں کہ قلم کلاشنکوف سے زیادہ مفید ہے' واقعی کلاشنکوف سے آپ شلوار میں ازار بند تو نہیں ڈال سکتے ہماری حکومت بھی آج کل تشدد اور عریانی کا معاشرے کی بجائے فلموں میں خاتمہ چاہتی ہے کیونکہ ہماری فلمیں معاشرے کی عکاس نہیں ہمارا معاشرہ فلموں کا عکاس ہے۔ اس سے قبل ایک بار ایسا ہوا تو فلم سے ننگی تلوار بھی سنسر کروی گئی۔ کسی نے پوچھا ننگی تلوار بھی تشدد کے زمرے میں آتی ہے۔ کہا نہیں عریانی کے زمری میں۔ پولیس بھی آج کل عریاں فلمیں پکڑ رہی ہے ہم نے ایک حوالدر سے پوچھا آپ کو کیسے پتہ چلتا ہے یہ فلم فحش ہے۔ کہا "فلم کو آخر تک دیکھتے ہے۔"

صاحب! کسی نے کہا تھا آپ جاننا چاہتے ہیں کہ درد سر دیکھنے میں کیسا ہوتا ہے؟ تو پنجابی فلم دیکھ لیں۔ اسی سپر ہٹ فلمیں ہیں کہ جتنی مرضی دیکھ کے نکلو یہی لگتا ہے پوری دیکھ کے نکلے ہیں۔ ہمارے خیال میں اچھا اسٹارٹ اور اچھا اختتام فلموں کو قابل دید بنا سکتا بشرطیکہ درمیان میں کچھ نہ ہو۔ ہماری فلمیں بنانے کا فارمولا یہ ہے بارہ من بارود اور اتنی ہی ہیروئن لے کر بیک وقت دونوں کو چلا دیں۔ ہدایت کار فلم کو ایسے شوٹ کرتے ہیں کہ لگتا ہے کلاشنکوف سے شوٹ کی ہے۔ ایک فلم دوسری سے اتنی

ہی مختلف ہوتی ہے جتنا نغمہ نگار مشیر کاظمی صاحب کا گانا مختلف تھا۔ انہوں نے بھارتی گانا "ایک پیسہ دے جا بابو ایک پیسہ دے جا" کو ایک آنہ دے جا بابو ایک آنہ دے جا کردیا تو کسی نے کہا ایسا تو بھارتی گانا ہے تو مشیر کاظمی صاحب نے کہا دونوں میں بڑا فرق ہے۔ پورے پانچ پیسوں کا فرق ہے۔ ہمارے چالیسویں سالگرہ کا چالیسواں منانے والے ہیرو' جو اس وقت سکرین پر دنیا میں سب سے زیادہ قتل کرنے والے ہیرو ہیں وہ اگر کہیں کہ میں نئی فلم کی کہانی سن کر آرہا ہوں تو یقین کرلیں یہی پوچھ کر آئے ہوں گے اس فلم میں مجھے کتنے قتل کرنے ہیں۔ وہ فلم کے شروع میں ہی ایسی کلاشنکوف چلاتے ہیں کہ لگتا ہے فلم کے آخر تک رائٹر اورڈائریکٹر کو بھی نہیں چھوڑیں گے لیکن سنا ہے ہماری فلم میں قتل نہ ہونا دراصل فلم ساز کا قتل ہوتا ہے۔ سو شکر ہے فلموں میں صرف کلاشنکوف پر پابندی لگی ہے۔ مقامی اسلحے یعنی گنڈاسے' برچھی' چھری اور ٹوکے کو نہیں ٹوکا گیا۔ پھر ہیرو تو لوگوں کو لڑنے سے روکنے کے لئے لڑتا ہے وہ بھی وکیل کی طرح آخری دم اور دام تک۔ لیکن مسئلہ یہ ہے کہ پاکستان میں دکھائی جانے والی انگریزی فلموں میں بھی کلاشنکوف سے ہی کام لیا جاتا ہے کیا انہیں بھی سنسر کیا جاسکے گا۔ ہماری تجویز یہ ہے جیسے سگریٹ نوشی کے مناظر کے بعد محکمہ صحت کا یہ اشتہار چلتا ہے "خبردار تمباکو صحت کے لئے مضر ہے" ایسے ہی کلاشنکوف کے مناظر کے بعد اشتہار محکمہ ثقافت کی طرف سے دیا جائے۔ "خبردار کلاشنکوف نوشی زندگی کے لئے مضر ہے" ویسے بھی اگر کلاشنکوف پر پابندی لگ گئی تو رائٹرز اور ڈائریکٹرز کو بڑی مشکل پیش آئے گی اب تو جو کردار ان کے قابو نہیں آتے انہیں "کلاشنکوف برد" کردیتے ہیں اس کے بغیر اکیلا ڈائریکٹر فلم کا وائنڈاپ نہ کرسکے گا۔ پھر فلم کے آخری سین میں تو ویسے بھی کلاشنکوف بہت ضروری ہے کہ اس کی آواز سے سارے فلم بین اٹھ جاتے ہیں ورنہ کون انہیں ہلا ہلا کر بتائے گا کہ اٹھ جاؤ فلم ختم ہو گئی ہے۔

• "انجمن" ارائیاں

صاحب' آپ یہ نہ سمجھیں کہ میں ارائیوں کی انجمن کے بارے میں لکھتا چلا رہا ہوں بلکہ میں امریکی صدر کلنٹن کی کامیابی کی انجمن ارائیوں میں شمولیت کے لئے اداکارہ "انجمن" کو ملنے والی دعوت پہ لکھ رہا ہوں۔ ہمیں کلنٹن کے عقلمند ہونے پہ کوئی شبہ نہیں اگر وہ عقلمند نہیں تو بھی ہمیں کوئی شبہ نہیں ہم "شبہ طراز" ہیں ہی نہیں۔ کلنٹن ان لوگوں میں سے کہ کوئی امریکیوں سے پوچھے "صدر کون ہے؟" تو وہ کہیں گے "کس کا امریکہ کا یا کلنٹن کا؟" انہیں بل بھی کہتے ہیں۔ 1946ء میں وہ مہینے کے شروع میں پیدا ہوئے شاید مہینے کے شروع ہوتے ہی بل آنے کی وجہ سے انہیں بل کہا جانے لگا تاہم پاکستان میں شریعت بل کے بعد واحد بل ہیں جن پہ اتنا لکھا جا رہا ہے۔ وہ جوان ہیں لیکن صاحب' ہم سے کوئی پوچھے "امریکی صدر کے لیے کونسی عمر سب سے زیادہ خطرناک ہوتی ہے؟"
تو جواب ہوگا "اس کی بیوی کی عمر۔"
ارکنساس کے ڈیمو کریٹک گزٹ کالمسٹ نے لکھا ہے اس سے کہیں بہتر تھا کہ حکومت ہیلری کو چلانے کے لئے دے دی جاتی کیونکہ ہیلری کو شروع ہی سے حکومت اور سائیکل چلانے کا شوق رہا ہے۔ بہرحال بل کلنٹن کا پہلے یہ تعارف ہوتا تھا یہ ہیلری کے خاوند ہیں۔ صدر بننے کے بعد یہ تبدیلی آئی ہے کہ اب لوگ کہتے ہیں ہیلری اس کی بیوی ہے۔ ہمیں تو لگتا ہے ہیلری نے ہی دنیا کی ایسی "بڑی" عورتوں کو حلف برداری کی تقریب پہ مدعو کیا ہوگا' یوں یہ حلف برداری کی تقریب کچھ لوگوں کو مال برداری کی تقریب لگنے لگی ہے تاہم یہ ہیلری کی "صحت مندانہ" سرگرمیوں کی ابتدا ہے۔ کچھ اداکاراؤں نے اعتراض کیا ہے کہ انہیں پاکستان سے یہی ایک خاتون نظر آئی؟ ویسے امریکہ جتنی دور ہے اتنی دور سے تو انجمن صاحبہ ہی نظر آسکتی ہیں وہ فن کا سمندر تو نہیں فن کا پہاڑ ضرور ہیں اور پہاڑ میں یہی خامی ہے کہ بندے کو اسے پورا دیکھنے

کے لئے دور ہونا پڑتا ہے۔ اس کے پیچھے کھڑے ہو کر آپ اس کی بلندی کا اندازہ نہیں لگا سکتے۔ پھر وہ اپنے ملک اور اپنے "ملک" کی نمائندہ ہیں' وہ پیدائشی اداکارہ ہی نہیں پیدائشی بڑی اداکارہ بھی ہیں وہ تو جب چھوٹی تھیں تب بھی چھوٹی نہ تھیں۔ انہیں ملک چین اور ملک معین پسند ہیں۔ وہ اتنی بڑی اداکارہ ہیں کہ کلنٹن نے خود ان کے اپنے بقول "مجھے دو دعوت نامے بھیجے ہیں۔"

صاحب' تقریبات میں انہیں بٹھانے کے لئے منتظمین کو بھی دو کرسیاں ہی خالی کرانا پڑتی ہیں۔ ہو سکتا ہے اس تقریب میں کوئی ان سے پوچھے آپ کس ملک کی سربراہ ہیں اور وہ کہیں ملک معین کی' ملک صاحب ان کے ساتھ یوں ہوتے ہیں جیسے انگم کے ساتھ ٹیکس۔ فلموں نے انہیں ملایا۔ فلم والوں کو ملانے کا اس قدر شوق ہوتا ہے کہ وہ تو "آج شب کو" یوں لکھتے ہیں "آجشبکو" دیکھنے میں تو انجمن باربرا بش کی طرح "بوے پائے" کی خاتون ہیں۔

ہماری ایک فلم انڈیا کی پانچ فلموں کے برابر ہوتی ہے۔ یعنی ان کی پانچ فلموں کو ملا کر ہمارے رائٹرز ایک فلم بناتے ہیں۔ ایسے ہی ان کی پانچ ہیروئنیں مل کر ہماری ایک ہیروئین بنتی ہیں۔ اس میں ہمارا اشارہ چہرہ سازی یا چربی سازی کی طرف نہیں۔ بہرحال ہمیں یہ لگ رہا ہے کہ جب باربرا بش اور انجمن جیسی بین الاقوامی خواتین کے بارے میں خبر آئے گی کہ دونوں خواتین نے کھانے کے بعد باہمی دلچسپی کے امور پر تبادلہ خیال کیا تو پتہ چلے گا دونوں ڈیٹنگ اور ڈائٹنگ پر گفتگو کرتی رہیں۔ سیاست سے تو محترمہ کو اتنی ہی دلچسپی ہے کہ کسی نے پوچھا آپ نے اس بار کس کو سپورٹ کیا' تو جواب ملا میں تو اپنی ساری فیملی کو سپورٹ کرتی ہوں۔ ہو سکتا ہے کوئی پوچھے آپ امریکی صدروں کو جانتی ہیں۔ خاص طور پر واشنگٹن کے بارے میں آپ کیا کہیں گی؟" تو بولیں "واشنگٹن کی میں کئی بار سیر کر چکی ہوں' ملتان سے بڑا ہے۔" ممکن ہے واپس آکر وہ کہیں وہاں میری مس بی سے ملاقات ہوئی وہ بھی میری فلموں کو پسند کرتی

ہے۔ کلنٹن سفید ہے مگر وہ اب سیاہ و سفید کا مالک ہے۔ امریکہ کے سیاہ دور کی یادگاریں وہاں کے کالے ہیں۔ امریکہ میں بڑے کالے صدر گزرے ہیں کالے نہیں' سنا ہے کئی صدر کالے بھی تھے' بندے کا چہرے نہیں دل دیکھنا چاہیے۔ بہرحال ہمیں تو اتنا پتہ ہے وائٹ ہاؤس وائٹ لوگوں کا ہاؤس ہے' اس لحاظ سے تو گوری کو بلانا چاہیے تھا۔ پتہ نہیں امریکیوں نے انجمن کا کونسا رنگ دیکھا ہے۔ ہو سکتا ہو کلنٹن کو محترمہ کی فلمیں پسند ہوں کیونکہ کلنٹن خود اتھلیٹ ہیں۔ لانگ جمپ کے کھلاڑی ہیں لیکن اگر بحیثیت اداکارہ بلانا تھا تو پھر یہ حق کسی سیاست دان کا بنتا تھا' کہ پاکستان میں اتنی فلمیں انجمن کی نہیں چلتیں' جتنی سیاست دانوں کی' ہم خود پی ٹی وی پہ ہر رات 9 پی ایم کے بعد پی ایم صاحب کی نئی فلم دیکھتے ہیں۔ بہرحال ہماری ساری ہمدردیاں انجمن کے ساتھ ہیں بلکہ اب تو ہمیں صدر کلنٹن سے بھی ہمدردی ہونے لگی ہے۔

○○○

• زبان درازیاں

صاحب' دنیا کی وہ کتاب جس میں سب سے زیادہ مخش لفظ ہوتے ہیں لغت کہلاتی ہے۔ شاید اسی لئے اسے گھروں میں وہاں رکھا جاتا ہے جہاں بچوں کا ہاتھ نہ پہنچ سکے۔
پتہ نہیں یہ قومی زبان کمیشن کے دست دراز میں کیسے آگئی کہ انہوں نے "منصوبہ بندی" کردی جس کے مطابق اردو کے آٹھ حروف تہجی کو تیج کر نئی لغت کی تدوین و تالیف شروع کردی گئی۔ ضمیر جعفری صاحب نے اگرچہ یہ ہمارے بارے میں لکھا تھا کہ ڈاکٹر یونس بٹ ہیں تو کنوارے مگر فقرہ بنا جاننا لکھتے ہیں لیکن ہم سمجھتے ہیں ہر لکھنے والا تحریر کا باپ ہوتا ہے اور زبان کو منکوحہ سمجھتا ہے۔ شاید اسی لئے اس کے ساتھ وہی سلوک کرتا ہے جو ہمارے ہاں منکوحہ کے ساتھ کیا جاتا ہے' بہر حال اس سے یہ بات سمجھ آجاتی ہے کہ قومی زبان کمشن نے 8 حروف کم کرنے کے لئے "منصوبہ بندی" کا لفظ کیوں برتا ہے۔انہوں نے کہا ہے 37 حروف میں سے ایک سی آواز والے آٹھ حروف مثلاث' س پھر ز' ض' ظ یا غ' گ وغیرہ میں سے ایک ایک لغت میں رکھا جائے گا۔ اس پر ہم تو اعتراض نہ کرتے مگر گ کی جگہ غ کے آنے پر ہمارے گل بچی کیسے غل نہ مچائیں' یہی نہیں کرانے کے ماہر طائی صاحب بھی اس وار سے نہ بچ سکے تائی بن گئے۔ تاہم تب تو ٹھیک تھا یہاں تو جنس بھی یوں بدلی کہ جو پہلے انہیں بچا کہتے اب تائی کہیں گے۔
ہم زبان کے ماہر تو نہیں ایک دوست سے زبان کے ماہر کا پوچھا تو اس نے کہا علیحدہ سے تو کوئی نہیں ماہر امراض ناک کان گلا ہی سے مشورہ لینا پڑے گا۔ ہمیں زبان اتنی پسند ہے کہ ہمیں دیکھتے ہی سری پائے والا زبان نکالنے لگتا ہے۔ بولنے کی حد تک ہماری تین زبانیں ہیں ایک وہ جو ہم بولتے ہیں دوسری وہ جو ہم بولنا چاہتے ہیں اور تیسری وہ جو ہمیں بولنا چاہیے' ویسے تو ہم چینی اور فرانسیسی بھی مقامی باشندوں کی طرح

بولتے ہیں' جی ہاں پنجاب کے مقامی باشندوں کی طرح۔ مگر ہم اردو بول رہے ہوں تو خود اردو سپیکنگ لوگوں کو پتہ نہیں چلتا' سمجھتے ہیں پنجابی بول رہا ہے۔ ہمیں اردو زبان اچھی لگتی ہے' پھر اردو بولنے کا سب سے بڑا فائدہ یہی ہے کہ آپ اس میں پنجابی اور انگریزی بھی بول سکتے ہیں' جہاں تک پڑھنے کی بات ہے تو ہم خود چینی' فرانسیسی' جاپانی' ہندی غرض یہ کہ دنیا کی ہر زبان پڑھ سکتے ہیں بشرطیکہ وہ اردو میں لکھی ہو۔ اگرچہ ہمارے ہاں زبان کے ساتھ یہ سلوک کیا جاتا ہے کہ بچہ وہی اچھا جو بڑوں کے سامنے زبان استعمال نہ کرے۔ اس کو ادب کہتے ہیں حالانکہ زبان کے بغیر ادب تو کیا بے ادبی بھی مشکل ہے۔ الفاظ خیالات کا لباس ہوتے ہیں شاید اسی لئے سب خواتین کو کم بولنے کی تلقین کرتے ہیں۔ ہمارے خیال میں کسی بھی زبان میں سب سے قیمتی چیز اس کے الفاظ کا درمیانی فاصلہ ہوتا ہے' بہرحال خیالات دماغ میں نہیں منہ میں بنے جاتے ہیں اور منہ میں اپنی زبان ہونا چاہیے۔

ہوسکتا ہے قومی زبان کمشن نے یہ سب صرف اپنی زبان کھولنے کے لئے کیا ہو' ویسے پچھلے دنوں نواز شریف صاحب پر ایک کتاب چھپی جس پر جہاں "طابع" کا نام لکھا تھا اکثر دوستوں نے کہا یہ درست نہیں اصل لفظ "تابع" ہونا چاہیے تھا۔ اس دور میں جب لکھنے والوں کی کہانی کا پلاٹ بھی کارنر کا پلاٹ ہوتا ہے' پھر حکومت صنعتوں کو فروغ دینا چاہتی ہے ایسے صنعت ایہام' صنعت مراۃ" النظیر اور دیگر صنعتوں کو فروغ دینا چاہیے اور حرفوں پر پابندی پر تین حرف بھیجے جائیں تھے۔ لیکن لگتا ہے یہ سب مولانا کوثر نیازی کے خلاف سازش ہے کہ "ث" نہ رہنے سے وہ مولانا کوثر نیازی بن جائیں گے۔ ظرافت تک زر آفت بن جائے گی اور زر کے آفت ہونے پر ہمیں تو نہیں آتی ہمیں بھی بڑے مسئلے ہوں گے اگر ظ کی جگہ ز آگئی تو ہم گورنر پنجاب کی تعریف میں لکھیں گے کہ وہ حسن ظن سے کام لیتے ہیں تو لکھنا ہو گا حسن زن سے کام لیتے ہیں جس پر کھر صاحب یاد آئیں گے اور اگر کھ کی جگہ خ آگئی تو ہم کھر صاحب کا ذکر کیسے کریں گے' ہاں اگر خ کی جگہ کھ آگئی تو پیپلز پارٹی کے شیخ رفیق صاحب

کھاندانی سیاست دان بن جائیں گے۔ ممکن ہے پھر اخبار نواب زادہ نصر اللہ خان صاحب کے "کل" جماعتوں کے اجلاس کو جماعتوں کے "قل" اجلاس لکھیں۔ اگر ق کی جگہ ک آ گیا تو پھر شاعروں کی قلبی واردات کلبی واردات بن جائے گی اور کلبی واردات میں مسئلہ یہ ہے کہ چودہ ٹیکے لگوانے پڑتے ہیں۔ لفظ "تخند" بھی اس "زد" میں آئے گا یا پھر "ذم" کو "ضم" ہونا پڑے گا۔ یہ ہی نہیں اس پر قومی زبان کمیشن والے "ضمیمہ" بھی نکالیں گے تو وہ "زمیمہ" ہوگا۔ اگر ک کی جگہ ق نے لے لی تو پیم اداکارہ انجمن کو یہ کہیں گے کہ آپ کی کشش ثقل ہمیں کھینچ لائی تو یوں لکھنا پڑے گا کہ آپ کی کشش ثقل کھینچ لائی۔ اس صورت میں اداکارہ شکیل بھی "ثقیل" اداکار بن جائیں گے۔ بیوی کو کوئی "قابل غور" لکھے گا تو یوں لکھنا پڑے گا آپ "قابل گور" ہیں۔ ممکن ہے قاتل کو بھی کاتل لکھنا پڑے۔ صاحب "گرانے" والے "غرانے" والے بن جائیں گے۔ "غم" "گم" ہو جائے گا۔ مرگی کی دوا خانوں پر مرغی کے دوا خانے لکھا ہو گا۔ یہی نہیں شادی مرگ بھی شادی مرغ کہلائے گی۔ ممکن ہے اغلاط کو اغلات لکھا جائے پھر تو ہم اس "اغلات" کو "غلت" کی جمع ہی سمجھیں گے۔ یہی بات ہے "زبان" کے "ضسان" ہونے پر ہم سے "ضابط" نہیں ہو رہا۔

○○○

• مدام صدام

کچھ عرصہ قبل بالی وڈ کی پر لباس اداکارہ نے پریس کانفرنس میں اس سوال کے جواب میں کہ کس ہیرو کے ساتھ کام کرنے کی خواہش رکھتی ہیں' بتایا کہ میں ہیرو صدام حسین کے ساتھ کام کرنا چاہتی ہوں' تب تک ہم سے کوئی پوچھتا کہ آپ کے ہیرو کون کون سے ہیں تو ہم ان میں سلطان راہی کا نام لیا کرتے' کیونکہ جو ایک کو مارتا ہے' وہ قاتل کہلاتا ہے' جو بہت سوں کو مارے' وہ ہیرو اور جو سب کو مارتا ہے' وہ خدا کہلاتا ہے' سلطان راہی تو آج بھی ایسا ہی لگتا ہے' جیسا تیس سال پہلے تھا' یعنی اتنا ہی بھدا' لیکن وہ آج بھی فلموں میں آخری دم تک لڑتا ہے۔ جی ہاں دیکھنے والے کے آخری دم تک' ہر وقت خون و پان میں لت پت اس کے دانت دیکھ کر یہی لگتا ہے' یہ دانت دکھانے کے نہیں کھانے کے ہیں۔ آج بھی جس فلم میں بے تحاشا کردار اور اضافی لوگ کہانی کار کے بس میں نہ آئیں ہدایت کار سے بھی ختم نہ ہوں تو وہ سٹوڈیو ز میں سلطان راہی کو ڈھونڈنے لگتے ہیں' مگر جب امریکی ادارے کی فلم "خلیج کی جنگ" میں صدام حسین کاسٹ کیا گیا' پھر ہر طرف اسی ہیرو کا نام لیا جانے لگا' سو بالی وڈ کی اداکارہ کے اس کے ساتھ کام کرنے کی خواہش انوکھی نہ لگی' مگر کل ایک بھارتی اداکارہ کا بیان پڑھ کر عجیب لگا' اداکارہ نے کہا ہے کہ میں دوسرے جنم میں صدام حسین بننا چاہتی ہوں۔

بھارت میں لوگ پہلے جنم میں کچھ نہیں بننا چاہتے' دوسرے جنم میں ہی سب بننا چاہتے ہیں' پھر وہاں بندر' گائے اور ایسے جانوروں کو اتنا بلند مقام حاصل ہے کہ کوئی دوسرے جنم میں انسان بننے کی خواہش کرے تو پنڈت اسے غیر انسانی نظروں سے دیکھنے لگتے ہیں' البتہ 1991ء میں ایک بھارتی کھلاڑی نے کہا تھا میں اگلے جنم میں اندرا گاندھی بننا چاہوں گا' پوچھنے والے نے کہا گویا اگلے جنم میں آپ عورت بننا چاہیں گے' کہا نہیں

میں اندرا گاندھی بننا چاہوں گا۔ صدام حسین اس خواہش پر پتا نہیں کیا کہتے ہیں۔ ایک اداکارہ نے برنارڈشا کو کہا اگلے جنم میں میں برنارڈشا بننا پسند کروں گی تو برنارڈشا نے کہا اگر ایسا ہوا تو میں ہرگز برنارڈشا بننا پسند نہ کروں گا۔

امریکی مزاح نگار ول راجرز کہتا ہے' دنیا کا سب سے مختصر ترین مدت کا پیشہ زندہ قومی ہیرو ہونا ہوتا ہے۔ واقعی ہم تو اپنے ہیروؤں کی یاد منانا چاہتے ہیں' اسی لئے اسے زیادہ دیر زندہ نہیں چھوڑتے' ویسے بھی گھوڑے اور بھگوڑے جب تک بھاگتے رہتے ہیں' زندہ رہتے ہیں' مگر ہیرو وہی زندہ رہتا ہے' جو مر چکا ہوتا ہے' صدام وہ عام ہیرو ہے جو ابھی تک زندہ ہے' مرد کی سب سے بڑی خوبی یہی ہے کہ وہ مرد ہو۔ اور صدام وہ مرد ہے' جس کا نام لے کر امریکی بچے اپنی ماؤں کو ڈراتے ہیں' وہ کبھی نہیں رویا صرف اپنے پیدا ہونے پر ایک بار رویا تھا۔ ایسے بڑے لوگ مدتوں بعد پیدا ہوتے ہیں' اب تو پیدا ہونے والے اور بھی کم ہو گئے ہیں' کیونکہ محکمہ منصوبہ بندی بہت تیز ہو گیا ہے۔

صدام وہ ہیرو ہے' جس کا میک اپ گولہ بارود سے ہوتا ہے' جبکہ اداکارائیں تو خود گولہ بارود ہوتی ہیں اور گولہ بارود ہوتا ہی چلنے کے لئے ہے۔ صدام وہ اکیلا ہے' جس پر 39 ممالک چڑھ دوڑے شاید یہی بات اس اداکارہ کو ہانٹ کرتی ہو' پھر بھی اس اداکار کی عمر لڑکے دیکھنے کی ہے لڑنے کے دیکھنے کی نہیں' مگر کیا کریں اردو ادب میں حسینہ مانتے ہی اسے ہیں' جس کی آمد جنگ آمد ہو' محبوبہ کہلاتی ہی وہ ہے جو جہاں سے گزرتی ہے' قتل عام کرتی جاتی ہے' عاشق تو اسے میرا قاتل کہہ کر بلاتے ہیں۔ ہو سکتا ہے' یہ اداکارہ محبوبہ کل بننا چاہتی ہو بلکہ محبوبہ قل کہلانا چاہ رہی ہو۔

الحمراء کی ایک تقریب میں دو بچوں کے مکالمے تھے۔

پہلا بچہ! میں بڑا ہو کر امجد اسلام امجد بنوں گا۔

دوسرا بچہ! اوں ہوں' وہ تو تم بن ہی نہیں سکتے' بڑا مشکل ہے۔

پہلا بچہ! کیوں؟

دوسرا بچہ! اتنا بڑا گنج کہاں سے لاؤ گے۔

ایسے ہی ہم کہہ سکتے ہیں کہ یہ اداکارہ صدام حسین نہیں بن سکتی' کیونکہ صدام حسین تو ہر وقت کپڑے پہنے ہوتا ہے اور محترمہ پیدائشی اداکارہ ہیں' یعنی آج بھی اکثر ایسی ہی ہوتی ہیں' جیسی پیدا ہوئی تھیں۔ صدام نے تو فوجی وردی کے بغیر کبھی خود کو بھی نہیں دیکھا اور وردی پہن کر بندہ ایذا کاری تو کرسکتا ہے' اداکاری نہیں۔ اسی لئے برطانوی فوجیوں کو ہدایت ہے کہ کوئی ایسی حرکت کرنے لگو تو پہلے اپنی وردی اتارلو' پھر فوجی اتنے عملی ہوتے ہیں کہ ان کے منہ اتنے نہیں بولتے' جتنے جوتے۔ اور اس محترمہ کو ایک دن چپ رہنا پڑا تو دم گھٹنے سے مرجائیں گی' یوں بھی یہ مادام صدام کیسے بن سکتی ہیں' یہ دوبارہ پیدا ہونے کی بات کررہی ہیں' جب کہ صدام کبھی پیدا ہونے کی نہیں ہمیشہ مرنے کی بات کرتا ہے۔

○○○

• حبیب غالب صاحب

حبیب جالب صاحب نے کہا ہے کہ مجھ پر اتنا تارچر پولیس نے نہیں کیا جتنا شاعروں نے کیا ہے' جالب صاحب کے شعر اتنے واضح ہوتے ہیں کہ پڑھ کر لگتا ہے اخبار کی ہیڈ لائن پڑھی ہے مگر یہ بیان پڑھ کر سمجھ نہیں آئی کہ انہوں نے تارچر دینے میں ناکام ہونے پر پولیس کی مذمت کی ہے یا ان کی تعریف کی ہے۔ حبیب جالب صاحب فیض سے بڑے قد کے شاعر ہیں' جنہوں نے دونوں کو اکٹھے کھڑے دیکھا ہے' وہ اس سے اتفاق بھی کریں گے۔ ہمارے ہاں اگر کسی شاعر کو کہا جائے کہ وہ آج کا غالب ہے تو اس سے مراد یہی ہوگی کہ یہ بھی کسمپرسی میں ادھار پر گزارا کرتا ہے۔ بہرحال حبیب جالب صاحب دوسرے شاعروں کو اولاد ذوق کہتے ہیں' شکر ہے اولاد بے ذوق نہیں کہا' یوں ہم حبیب جالب کو حبیب غالب کہہ سکتے ہیں۔ غالب کی طرح انہوں نے بھی زندگی کی اتنی کڑواہٹیں چکھی ہیں کہ اب تو کوئی خوشی کی خبر سنائے تو اسے یہ نہیں کہتے منہ میٹھا کرواؤ' کہتے ہیں منہ کڑوا کرواؤ' حبیب غالب بھی جھکنا نہیں جانتے جھکنے سے بچنے کے لیے انہوں نے جو کچھ کیا ان میں تسموں والے جوتے پہننا ترک کرنا بھی شامل ہے۔ ایک بار وہ اداکارہ انجمن کو دیکھتے ہوئے بتا رہے تھے کہ میں نے اپنی زندگی میں بڑی بڑی "مصیبتیں" دیکھی ہیں وہ ایسی ڈرا دینے والی نظمیں لکھتے ہیں کہ ان کے گرد پولیس اور خفیہ والوں کا پہرہ نہ ہوتا تو خود اپنی نظموں سے ڈرتے رہتے۔ وہ رکشے میں بیٹھ کر اسے کہتے کہ مجھے گھر چھوڑ آؤ تو وہ انہیں سیدھا سنٹرل جیل لے جاتا۔ کسی دانشور نے کہا ہے کہ دنیا میں تین قابل احترام ہستیاں ہیں' مبلغ' مجاہد اور شاعر' ہمیں تو تینوں میں لڑائی کے علاوہ کوئی قدر مشترک نہیں لگتی' سکول کے زمانے میں ہم نے جب یہ مصرع پڑھا۔

عشق پر زور نہیں ہے یہ وہ آتش غالب

ہمارا خیال تھا یہ شعر آتش اور غالب دونوں نے مل کر لکھا ہے' بعد میں پتہ چلا کہ جہاں دو شاعر ہوں' وہاں تین آراء ہوتی ہیں۔ رشید احمد صدیقی کی طرح ہمیں شعر یاد نہیں رہتے' جو یاد رہتے ہیں' وہ شعر نہیں رہتے۔ پہلے زمانوں کے شاعروں کی شکلیں دیکھ کر ہی کہہ سکتے ہیں کہ وہ جتنا اپنے شعر کے وزن کا خیال رکھتے' اتنا اپنے وزن کا رکھتے تو شاعر کی بجائے صحت مند نظر آتے۔ ایم پی وائٹ نے کہا ہے' وہ تمام شاعر ہوتے ہیں' اس حساب سے تو اپنے شاعروں کا کلام پڑھ کر ہمیں خود پر بڑے شاعر کا گمان ہوتا ہے لیکن ہم تو شاعری پڑھ کر اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ ہر معاملے میں نتیجے پر نہیں پہنچنا چاہیے۔ ویسے سب شاعر برے ہی نہیں ہوتے' کچھ بہت برے بھی ہوتے ہیں' تاہم ان کی شاعری کو ناپسند کرنے کی دو وجوہ ہوسکتی ہیں' جس میں سے ایک یہ ہے کہ آپ شاعری پڑھتے ہیں' شاعروں کے لئے مشاعرے دراصل مشاجرے ہوتے ہیں' اگرچہ مشاعروں میں جب شاعر شعر سناتے ہیں تو یہی لگتا ہے۔ جن کو سنایا جارہا ہے' یہ سب ست اور کاہل ہیں' جو خود نہیں پڑھ سکتے۔ ہم انہیں ان پڑھ نہیں کہتے' کیونکہ ان پڑھ ہوتے تو مہمان خصوصی بنے حکومت کی نمائندگی کررہے ہوتے۔ یہ مشاعرے دراصل شاعروں کے لئے ٹارچر سیل ہیں' ان کے لئے سب سے بڑا ٹارچر یہ ہوتا ہے' انہیں یہاں نہ لایا جائے اور اس سے بڑا ٹارچر یہ ہوتا ہے کہ شاعر کو مشاعرے میں بلا کر نہ پڑھوایا جائے' شاعروں کے ساتھ رہنا بھی ٹارچر ہی ہوتا ہے' قافیہ پیمائی سے دوسرے کا قافیہ تنگ کردیتے ہیں۔ ہمارے دوست شاعر عباس تابش تعطیلات پر لالہ موسیٰ سے لاہور آتے ہیں اور ہفتہ دس دن کے بعد واپس لوٹتے ہیں تو ان کا روم میٹ یہی کہتا ہے' ہم آپ کی تعطیلات سے بہت لطف اندوز ہوئے۔ اسد اللہ خان غالب کو جب کوتوال شہر نے جیل میں سخت سزا دینا چاہی تو کوٹھڑی میں ان پر شاعر سپاہی متعین کردیا' جو دن رات غالب کو شعر و کوب کرتا رہتا۔ ہم نے مانا کہ شاعر کو سب سے زیادہ اذیت شاعر ہی دے سکتا ہے۔ اقبال ساجد مرحوم کے آخری ایام میں ہم نے اس پر تحقیق کی کہ عمر بھر اس مظلوم شاعر کو سب سے زیادہ ٹارچر کس نے دیئے تو ایک شاعر ہی نکلا اور

اس کا نام تھا اقبال ساجد۔

○○○

• سوا۔ ۔ ۔ ۔ لات

صاحب! مقامی کالج میں بی اے پنجابی کے پرچے پر اطلاعیہ بوٹی مافیا نے پانچ سو روپے فی سوال ریٹ کا اعلان کیا تو ہمیں بہت دکھ ہوا ہم جانتے ہیں سوالاتوں کے بہوت باتوں سے نہیں مانتے پھر بھی ہم سمجھتے ہیں یہ طلبہ سے زیادہ پنجابی زبان کے ساتھ زیادتی ہے کہ اسی سینٹر پر انگریزی کے پرچے میں فی سوال نقل کرانے کا ریٹ دو تین ہزار روپے رہا تو پنجابی کو اتنی سستی زبان کیوں سمجھا گیا؟ اس کی وجہ شاید یہ ہو کہ انگریزی میڈان انگلینڈ ہے اور پنجابی یہاں کی بنی ہوئی ہے انگریزی سے ہمارے لیڈروں کو بھی اتنا لگاؤ ہے کہ ہمارے ایک وزیر ایسے ہیں جنھوں نے جب بھی بی اے کا امتحان دیا انگریزی کا پرچہ ضرور دیا ویسے انگلینڈ میں انگریزی کا یہ حال ہے کہ جو کوئی وہاں گرائمر کے حساب سے صحیح انگریزی بول رہا ہو فوراً پتہ چل جاتا ہے یہ مقامی نہیں ہم زبانوں کے بارے میں اتنا ہی علم رکھتے ہیں کہ ہمیں علم ہے لاہور میں کس سری پائے کی دکان پر اعلیٰ زبان ملتی ہے۔ بحیثیت پاکستانی ہم سمجھتے ہیں بندے کے منہ میں اپنی زبان ہونا چاہیے کسی اور کی زبان ہو تو فحاشی کے زمرے میں آتا ہے اس کے باوجود ہر منہ میں کسی انگریز کی زبان ملتی ہے صاحب ہمارے لوگ تو فقرے کے آخر میں جی بھی کہیں تو لہجہ ایسا ہوگا کہ جیسے یہ جی انگریزی کا ہے انگریزی سے ہمیں چھٹی کا دودھ یاد آگیا جب ہم نے چھٹی جماعت میں دودھ دوہنے کی انگریزی واشنگ ملک لکھی تو ٹیچر نے کہا بڑی غلط زبان لکھی ہے تب سے ہم انگریزی کو غلط زبان سمجھتے ہیں۔

جہاں تک پنجابی کا تعلق ہے تو جماعت اسلامی کے سابق امیر میاں طفیل محمد صاحب نے ایک بار کہا کہ پنجابی گالیوں کی زبان ہے یہ بات انھوں نے پنجابی میں کی ہم نے اپنے بچوں کو انگریزی اردو پڑھانے کے لئے ٹیوٹر اور پنجابی بھلانے کے لئے ممی رکھی ہوتی ہے پنجابی تو پنجابیوں کے گھر کی لونڈی ہے اور اس کے ساتھ وہی سلوک ہو رہا ہے اس

کے باوجود ہم پنجابی زبان پر ماہرانہ رائے نہیں دے سکتے مگر امتحانوں پر دے سکتے ہیں کیونکہ ہم اتنی مرتبہ کلاس روم میں نہ گئے ہوں گے جتنی بار کمرہ امتحان میں گئے اس کا مطلب یہ نہیں کہ ہمیں پڑھنے کا شوق نہیں رہا ہمیں تو اتنا شوق تھا کہ کمرہ امتحان میں بھی جہاں دوسرے لکھ رہے ہوتے ہم وہاں بھی پرچہ پڑھ ہی رہے ہوتے فی زمانہ امتحانوں میں صرف یہی خوبی ہے کہ یہ ملتوی ہوجاتے ہیں جیسے بقول یوسفی ہر آمر میں یہی خوبی ہوتی ہے کہ وہ گزر جاتا ہے۔ ہمارے ملک میں قوم اور طالب علموں کو بار بار امتحانوں سے اس لئے گزارا جاتا ہے کہ "نگراں کا کاروبار چلے"

پھر پولیس کو علم کی اہمیت سے آگہی ہوتی ہے جب ان کی ڈیوٹی کسی امتحانی سنٹر پر لگتی ہے تو انہیں پتہ چلتا ہے علم ایک دولت ہے اور تعلیم سے تعلیم یافتہ سے زیادہ کیسے کمایا جاتا ہے؟ ان سنٹروں پر پرچہ رکوانے کے لیے وہی کچھ کرنا پڑتا ہے جو تھانوں میں پرچہ کروانے کے لئے۔ پچھلے چند سالوں سے ان سنٹروں پر بڑی بد عنوانیاں ہونے لگی تھیں ایک ہی سوال کی نقل کے کسی سے سات سو لئے جاتے اور کسی سے اسی سوال کے دو ہزار جس کا محکمہ تعلیم نے سخت نوٹس لیا اب تو بوٹی مافیا والے باقاعدہ اعلان کرتے ہیں کہ فی سوال اتنے روپے ریٹ ہے اس سے زیادہ لینے والا پولیس حوالہ نہ دے۔

سابق وزیر تعلیم نے ایسے انتظامات کئے کہ نقل آدھی ہو گئی یہ انہوں نے ایسے کیا جہاں پہلے سال میں دس امتحان ہوتے تھے انہوں نے پانچ کروئے یوں نقل فوری طور پر آدھی ہو گئی ان کے ہوتے ہوئے امید تھی کہ نقل سو فیصد ختم ہوجائے گی جس کا ایک طریقہ تو یہ ہے کہ نقل کو پرائیویٹ سیکٹر سے لے کر گورنمنٹ سیکٹر میں دے دیا جائے۔ محاورہ ہے روم ایک دن میں نہیں بنا جس کی وجہ یہی ہوگی کہ روم گورنمنٹ نے بنایا ہوگا گورنمنٹ ایک دن میں روم تو کیا کلاس روم نہیں بنا سکتی سو نقل کم ہونے لگے گی لیکن گورنمنٹ سیکٹر میں ہونے والی نقل ایسی یہ ہوگی جیسے ایک طالب علم کا پرچہ دیکھنے کا ہمیں بھی موقعہ ملا اس نے لکھا تھا مولانا ابوالکلام آزاد حکیم کرن

کے میدان میں پیدا ہوئے۔
طلب آج کل جو سیکھتے ہیں کمرہ امتحان سے ہی سیکھتے ہیں ورنہ کلاس میں تو ہم نے بھی یہی سیکھا تھا کہ ہونٹ ہلائے بغیر سیٹی کیسے بجا سکتے ہیں؟ پنجابی سے ہمیں محبت ہے ہمارے ہاں ہر اس کے محبت ہوتی ہے جسے اپنا نہ سکیں۔ ہم کبھی پنجابی میں فیل نہیں ہوئے جس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ ہمیں پنجابی بہت آتی ہے اور دوسری وجہ یہ ہے کہ ہم نے پنجابی کا کبھی امتحان ہی نہیں دیا۔ ویسے ہو سکتا ہے بوٹی مافیا نے پانچ سو روپے فی سوال پنجابی زبان سے محبت کی وجہ سے رکھا ہو تا کہ سستے داموں پنجابی کی تعلیم کو فروغ مل سکے اور زیادہ سے زیادہ لوگ پنجابی کا امتحان دیں ممکن ہے وہ پنجابی سے اور محبت کا اظہار کرتے ہوئے یہ اعلان کریں کہ جو ہر سال بی اے انگریزی کا پرچہ ہم سے کروائے گا اس کا پنجابی کا پرچہ مفت کروایا جائے گا۔

○○○

• کار ..... و ..... بار

کاروبار کے شروع میں کار آتا ہے اور کاروبار کا آخر ہوتا ہے "بار" پہ۔ وہ کاروبار جو شروع ہی کار سے ہو' وہ ٹیکسیوں کا ہی ہو سکتا ہے مگر وفاقی دارالحکومت کی جامع مسجد کے مولانا صاحب نے لال پیلے ہو کر پیلی ٹیکسیوں کا کاروبار ناجائز قرار دے دیا ہے۔ یوں جس کا بھی پیلی ٹیکسیوں سے تعلق ہے' وہ ناجائز ہے۔ مولانا نے یہ واضح نہیں کیا کہ کیا جو ٹیکسیاں پیلی نہیں ہیں ان کا کاروبار جائز ہے۔ صاحب ان کی طرح ہمیں بھی پیلے رنگ میں صرف ہاتھ پیلے کرنا ہی پسند ہے لیکن انہیں اس کی اتنی فکر ہے کہ لوگ انہیں اہل فکر سمجھنے لگے ہیں۔ سنا ہے۔ پہلے ان کے پسندیدہ مقامات میں افغانستان میں مزار شریف اور پاکستان میں نواز شریف تھا۔ ہمارے ملک کی آبادی اس رفتار سے بڑھ رہی ہے کہ دوسرے ممالک میں تو سال بعد لیبر ڈے منایا جاتا ہے' ہمارے ہاں گھروں میں ہر نو ماہ بعد لیبر ڈے ہوتا ہے۔ یوں زندگی کے ادوار بچپن' جوانی اور بڑھاپا نہیں رہے۔ بچپن' بے روز گاری اور بڑھاپا ہو گئے ہیں۔ ٹیکسی سکیم سے ان بیروز گاروں کے ساتھ ٹریفک پولیس کانسٹیبلوں کے گھر کا خرچہ چلنے لگا تھا۔ غریبوں کو قسطوں پہ نئی ٹیکسیاں دی گئیں۔ نئی ٹیکسیاں دینے کی وجہ بھی شاید یہ تھی کہ جیسے حامد رانا نے نئی سوزوکی لی تو دوست نے پوچھا آپ نے نئی سوزوکی خریدی ہے؟ کہا "ہاں بھئی غریب آدمی ہوں پرانی افورڈ نہیں کر سکتا" اس سے قبل جو ٹیکسیاں شروع میں چلتی تھیں' ان کے رنگ پیلے تو نہ تھے مگر اس میں بیٹھنے والے کا رنگ پیلا ضرور ہو تا تھا۔ ہمیں ایک ایسی ٹیکسی میں بیٹھنے کا موقع ملا' اس کا سپیڈو میٹر ہی نہیں تھا۔ پوچھا "آپ کو اس کی سپیڈ کا کیسے پتہ چلتا ہے؟ کہا "جب بونٹ کھڑکھڑانے لگے تو رفتار 20 میل فی گھنٹہ ہے اگر دروازے کھڑکھڑانے لگیں تو تیس میل فی گھنٹہ اور اگر میں کھڑ کھڑانے لگوں تو رفتار ساٹھ میل فی گھنٹہ ہوگی "پوچھا" یہ کیسے پتہ چلے گا رفتار ساٹھ سے زیادہ ہو

گئی ہے" کہا "اگر گاڑی چلتی چلتی یک دم رک جائے تو سمجھ لیں رفتار ساٹھ سے زیادہ ہو گئی ہے" ہارن نہ تھا' کہنے لگا "اس کی ضرورت نہیں ہر پرزہ یہ ایکسٹرا کام بھی کرتا ہے" کہتے ہیں ٹیکسی کو یکجا رکھنے کے لئے ہزاروں نٹ بولٹ چاہئیں ہوتے ہیں اور نہ رکھنے کے لئے ایک نٹ بلکہ نٹ کھٹ۔ اگلے بمپر کو سامنے سے ٹکر لگنے کی صورت میں بچانے کے لئے پچھلے بمپر کی جگہ لگایا ہوا تھا اور پچھلے بمپر کو پیچھے سے ٹکر لگنے سے بچانے کے لئے آگے لگا رکھا تھا۔ پوچھا "بریکوں کا یہ عالم ہے تو اگر فوراً ٹیکسی روکنا ہو تو کیا کرتے ہیں" کہا "کھمبا ڈھونڈتے ہیں" ایک صاحب امریکہ میں ٹیکسی چلایا کرتے تھے ایک بار بہت تیز رفتاری سے جا رہے تھے وجہ پوچھی تو کہا میری بریکیں فیل ہو گئی ہیں اور میں کوئی حادثہ ہونے سے پہلے پہلے گھر پہنچنا چاہتا ہوں' اس لئے تیز چلا رہا ہوں۔

ان ٹیکسیوں کے علاوہ ویگنیں ہیں۔ ویگن تو یوں چلتی ہے جیسے گن چلتی ہے۔ ویسے ہمارا ایک دوست ویگنوں کے بزنس کی وجہ سے بہت مالدار ہو گیا ہے۔ جی' پہلے اس ڈاکٹر کا ہڈیوں کا چھوٹا سا ہسپتال تھا' اب کئی ہو گئے ہیں۔ پچھلے دنوں قبل از تاریخ کے انسانی ڈھانچے ملے جو یوں تھے کہ ان کی ٹانگیں ان کی گردنوں کے گرد لپٹی ہوئی تھیں جو ظاہر کرتا ہے ویگنیں اس زمانے میں بھی ہوتی تھیں ہم ہمیشہ ہاف سڑک ویگن کے لئے چھوڑ دیتے ہیں مگر یہ پتہ نہیں ہوتا کہ اسے کون سا ہاف چاہیے۔ ہم کار پر ہسپتال جاتے ہیں اور اکثر ویگنوں کی وجہ سے جلدی ہسپتال پہنچ جاتے ہیں کیونکہ اگر ویگن ڈرائیور ہاتھ باہر نکالے تو خاتون ڈرائیور کی طرح اس کا مطلب ہوگا یا تو یہ دائیں مڑنا چاہتا ہے یا بائیں مڑنا چاہتا ہے شاید بیک کرنا چاہتا ہے یا رکنے کا ارادہ ہے یا کسی واقف کو ہیلو ہیلو کر رہا ہے خواتین کی ڈرائیونگ بہتر کرنے کا تو یہ طریقہ ہے کہ سڑکیں شیشے کی طرح صاف رکھیں پھر وہ آنکھیں سڑک سے نہ ہٹائیں گی مگر ویگن سڑک پر نہیں چلتی سواریوں پر چلتی ہے۔ ویگنوں کا صرف یہ فائدہ ہے کہ جس علاقے میں یہ

چلنا شروع ہو جائیں' وہاں چوریاں ہونا کم ہو جاتی ہیں کیونکہ ان کا شور اتنا ہوتا ہے کہ علاقے والے سو ہی نہیں پاتے۔ نئی پیلی ٹیکسیوں میں ایک تو یہ خوبی ہے کہ یہ پرانی نہیں ہیں اور پھر اسے چلاتے بھی پڑھے لکھے لوگ ہیں۔ ویسے بھی ٹیکسی وہ گاڑی ہوتی ہے جسے ہمیشہ پچھلی سیٹ پر بیٹھنے والا چلاتا ہے۔ انہی پیلی ٹیکسیاں آنے سے اگر کوئی مسئلہ پیدا ہوا ہے تو وہ پارکنگ کا ہے مگر یہ مسئلہ بھی "جائز" ہے۔ ایک امریکی مزاح نگار نے لکھا کہ میں نے پارکنگ کا مسئلہ حل کر لیا ہے' پوچھا کیسے؟ کہا اس بار میں ایک پارک کی ہوئی کار خریدی ہے۔ ویسے ڈرائیوروں کو فنش کرنے کا یہ فائدہ ہوتا ہے کہ پارکنگ کے لئے جگہ نہ ہو پھر بھی گاڑی پارک کر سکتے ہیں۔

ہم تو یہ سمجھتے ہیں بیوی اور بیروزگار گاڑی چلانا چاہے تو اس کے راستے میں نہیں آنا چاہیے لیکن ممکن ہے مولانا پیشہ ورانہ رقابت کی وجہ سے ایسا کہہ رہے ہوں کہ فی زمانہ سب سے زیادہ اللہ کو یاد ٹیکسی میں بیٹھنے والے ہی کرتے ہیں کیونکہ یہ پتہ نہیں مولانا بندے کو کتنا اللہ کے پاس پہنچا سکتے ہیں۔ یہ پتہ ہے کہ ٹیکسیوں والے پل بھر میں بندے کو اللہ کے پاس پہنچا دیتے ہیں۔ ویسے ممکن ہے مولانا کا یہ بیان پیلی ٹیکسیوں کی پبلسٹی کمپین کا حصہ ہو جیسے ہمارے ہاں تعلقات کے ساتھ ناجائز کا لفظ لگ جائے تو تعلقات میں دلکشی آ جاتی ہے' ایسے ہی وہ چاہتے ہوں لوگ اس کاروبار کو ناجائز سمجھ کریں یعنی دلچسپی سے کریں۔

ooo

- **Bitter Half**

صاحب! امریکی خاتون اول ہیلری نے صدر کلنٹن کی زندگی پہ جو انمٹ نقوش چھوڑے ان میں سے ایک پچھلے دنوں صحافیوں نے کلنٹن کے گال پہ دیکھ لیا جو ان کے لئے ایک "گال" بن گیا۔ سی آئی اے والے تو ایسی تمام اشیاء کی لسٹیں بنانے کے لئے تحقیق کر رہے ہیں جن سے ایسا زخم لگایا جاسکتا ہے تا کہ یہ چیزیں وائٹ ہاؤس سے بلیک کر دی جائیں۔ اگرچہ اس پہ تحقیق کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ یہ چیزیں تو کوئی بھی خاوند منٹ میں گنوادے گا۔ البتہ وائٹ ہاؤس میں ان چیزوں کی لسٹ بنائی گئی جن سے صدر کو چوٹ لگنے کا اندیشہ رہتا ہے تو اس لسٹ میں ہلری کلنٹن سر فہرست ہوں گی۔ ہلری کا جغرافیہ بھی اس کی ہسٹری جاتا ہے۔ وہ ان خواتین میں سے ہیں جو ایکسرے کھنچواتے وقت بھی یہی کوشش کرتی ہیں کہ وہ ایکسرے میں حسین نظر آئیں۔ اگرچہ ماڈلنگ امریکہ میں لڑکیوں کا بہترین پیشہ ہے جو اچھی ماڈل ہوتی ہیں وہ اچھا خاصا کما لیتی ہے جو بری ہوتی ہے وہ اس سے زیادہ کما لیتی ہے۔ لیکن ہلری وکیل ہے۔ بیوی وکیل ہو تو گھر اس عدالت کو کہتے ہیں جو چوبیس گھنٹے کھلی رہے ہلری اپنے خاوند کے ساتھ وائٹ ہاؤس میں نہیں آئیں بلکہ خاوند کو ساتھ لیکر وائیٹ ہاؤس آئیں۔ کہتے ہیں خاتون اول بننے کا آسان طریقہ یہ ہے کہ اپ صدر سے شادی کرلیں حالانکہ صدر بننے کے لئے جو عمر کی حد رکھی گئی ہے اس حساب سے تو آپ کسی صدر سے شادی کریں گی تو آپ خاتون سوم' چہارم تو ہو سکتی ہیں اول نہیں۔ اگرچہ کوئی ہم سے پوچھے کہ امریکہ تیسری شادی کب کرتے ہیں؟ تو ہم یہی کہیں گے دوسری شادی کے بعد۔ اچھا خاوند ہمیشہ کسی اچھی بیوی کی تخلیق ہوتا ہے۔ ہمارے ہاں گھر صاحب سے بڑے بڑے خاوند گزرے ہیں مگر کلنٹن سے مقبول خاوند کوئی نہ گزرا ہو گا جنہیں تقریباً تمام امریکی شادی شدہ عورتوں نے ووٹ دیئے کنواریوں کے ووٹ بھی مل سکتے تھے اگر ووٹر کی حد عمر

اٹھارہ سال کے بجائے آٹھ سال ہوتی۔ کلنٹن اس سے بہتر نہیں دیکھ سکتے جو وہ انہیں دکھاتی ہیں۔ جب وہ ارکنساس میں تھے تو ایک صحافی نے دونوں کو دیکھ کر کہا دوسرے سے کہا مجھے دونوں کا رویہ ایک دوسرے کے ساتھ ٹھیک نہیں لگتا" تو دوسرے نے کہا واقعی مجھے بھی یہ دونوں میاں بیوی لگتے ہیں۔ لوگ دور سے انہیں آتا دیکھ کر پہچان لیتے کہ ان میں سے ایک بیوی ہے اور دوسرا خاوند۔ دونوں خوش خوش رہتے۔ ہلری غصے میں آ کر جو ملتا کلنٹن کو دے مارتیں اگر نشانہ لگ جاتا تو ہلری خوش ہو جاتیں نہ لگتا تو کلنٹن خوش ہو جاتے۔ بہر حال اب وقت کے ساتھ یہ بہتری ہوئی ہے کہ ہلری کا نشانہ بہتر ہو گیا ہے۔ یوں ہلری کی خوشی کے نشان صدر کلنٹن کے چہرے پر نظر آنے لگے ہیں۔ امریکی ایوان صدر نے یہ نظارہ خاتون اول ناہید سکندر مرزا کے دور میں دیکھا۔ یہ وہی غیرت ناہید ہیں جنہوں نے ایوان صدر سے گدھ اور کوے اڑانے کے لئے الگ اے ڈی سی رسالدار میجر اصغر علی رکھاہوا تھا۔ جو سارا دن انتظار کرتا رہتا کہ کوے اور گدھ بیٹھیں تاکہ وہ انہیں اڑا سکے کبھی کبھی تو اڑانے کے لئے بہت محنت کرنا پڑتی یعنی پہلے "دانہ" ڈال کر انہیں بٹھایا جاتا تاکہ اڑایا جاسکے ابھی تک ایوان صدر میں یہی طریقہ رائج ہے۔

کچھ کہتے ہیں امریکہ کی خاتون صدر ہے جب کہ کچھ کہتے ہیں صدر خاتون ہیں بہرحال ہمیں اتنا پتہ ہے کہ ہلری کو اتنا کام کرنا پڑتا ہے کہ ان کے پاس یہ سوچنے کاوقت نہیں ہوتا کہ وہ صدر ہیں یا کلنٹن۔ ان کی بیٹی سے سکول والوں نے پوچھا ہم آپ کے سلسلے میں آپ کے والدین سے ملنا چاہتے ہیں بتاؤ آپ کی ممی سے ملیں یا پاپا سے۔ تو بیٹی نے کہا ممی تو بہت مصروف ہوتی ہیں آپ پاپا سے مل لیں وہ فارغ ہوتے ہیں۔ ہمیں خوشی ہوئی کہ ہلری اپنی اتنی مصروفیات میں سے میاں بیوی رہنے کے لئے بھی وقت نکال لیتی ہیں۔ کیونکہ ہم یہ سمجھتے ہیں جو میاں بیوی ایک دوسرے سے نہیں لڑتے وہ ایک دوسرے کو میاں بیوی مانتے نہیں ہیں۔ کلنٹن ہلری کو انہیں سنبھال سکتے ہلری کو ہی نہیں سنبھالنا پڑتا ہے۔ ویسے بھی امریکی بیویاں بڑی وفادار ہوتی ہیں وہاں کی

ایک اداکارہ نے عدالت میں کہا ہے میں اپنے خاوند سے طلاق لینا چاہتی ہوں۔ جج نے وجہ پوچھی تو اس نے کہا اس لئے کہ یہ وفا شعار نہیں۔ جج نے پوچھا "محترمہ آپ یہ بات کیسے کہہ سکتی ہیں؟" کہا "مائی لارڈ! میرے ایک بچے کی شکل بھی ان سے نہیں ملتی کیسے کہہ دوں کہ یہ وفا شعار ہیں۔"

ہلری ان خواتین سے بہت اچھی ہیں جو ان سے کم اچھی ہیں۔ محاورہ ہے روم رہو تو وہ کرو جو رومن کرتے ہیں بلکہ اصل محاورہ یوں ہے روم میں رہو تو وہ کر جو روم میٹ کرتے ہیں۔ مگر ہلری ایسا نہیں کرتیں۔ اس سے قبل بھی امریکہ میں کشتی فرموں میں خاوندوں کو سیلز مین رکھنے پر ترجیح دی جاتی کہ وہ آرڈر لینے کا تجربہ رکھتے ہیں یہی نہیں شادی شدہ کو صدر اس لئے چنا جاتا ہے کہ اسے عوام کی کڑوی کسیلی باتیں اور ڈانٹ ڈپٹ اسے اجنبی نہیں لگتی۔ لیکن اب امریکی کہہ رہے ہیں کہ صدر کی بیوی نہیں ہونا چاہیے کیونکہ صدر اس سے پٹ سکتا ہے کوئی اسے ڈانٹنے والا بھی ہونا چاہیے۔ اور بیوی سے بہتر اسے کون ڈانٹ سکتا ہے۔ جہاں تک کلنٹن کے پٹنے کا تعلق ہے تو جیسے مشائخ کانفرنس میں ایک گدی نشین نے وزیر اعلیٰ غلام حیدر وائیں کے گھٹنوں کو ہاتھ لگایا تو اگلے دن اخبار نے یہ خبر لگادی۔ جس کی ان پیر صاحب نے یوں تردید کی کہ میں نے وائیں صاحب کے گھٹنوں کو ہاتھ نہیں لگایا تھا انہوں نے میرے ہاتھ کو گھٹنے لگائے تھے۔ ممکن ہے ہلری" کلنٹن کے منہ پر تھپڑ نہ مارتی ہو۔ کلنٹن ہلری کے تھپڑ پر منہ مارتے ہوں۔ پھر کلنٹن بہت تیز بھاگتے ہیں۔ پوچھو کس سے بھاگ رہے ہیں تو کہیں گے پچیس سال ہوگئے۔ ٹھیک کہتے ہیں ان کی شادی کو تقریباً اتنا ہی عرصہ ہوا ہے۔ سو ممکن ہے وہ بھاگتے ہوئے تھپڑ کو جا لگتے ہوں۔ البتہ امریکیوں کو اس بات پر شرمندہ ہونا چاہیے کہ اتنے ترقی یافتہ ملک کے صدر کی بیوی بھی غیر ترقی یافتہ ممالک کی جاہل خواتین کی طرح اپنے خاوند کو ڈوئی' کپ اور لیمپ سے پیٹتی ہیں۔ لیکن سنا ہے ہلری نے اس کی وضاحت بھی کردی ہے کہ میں پڑھی لکھی عورت ہوں۔ ان پڑھ

ادب فحاشی ختم کرنے کے خواب دیکھتے ہیں مگر۔ ۔ ۔ ۔ مگر جلد جاگ جاتے ہیں۔ منٹو تک کو فحاشی ایک آنکھ نہ بھاتی سو وہ فحش تحریریں آنکھیں بند کرکے لکھتے رہے۔ ہم سمجھتے ہیں فحش کتابیں ختم ہونا چاہئیں سو ایسی کتابیں ہم تو ایک نشست میں ختم کردیتے ہیں۔ مگر ہمیں نہیں پتہ تھا فحاشی کتاب سے نکل کر "نوشتہ دیوار" بن گئی ہے۔ ہمارے ارکان اسمبلی تو "نوشتہ دیوار" اس لئے نہیں پڑھتے کہ زیادہ تر ان پڑھ ہیں سو ہمیں ہی پڑھنا ہوگا لیکن سنا ہے ان فحش تحریروں کا تعلق اکثر بازاری حکیموں کے اشتہاروں سے ہے۔ اشتہاروں میں کبھی کبھی سنیاسی بابا کی تصویر بھی ہوتی ہے جس پر لکھا ہوتا ہے سنیاسی بابا کا چالیس سالہ تجربہ بابوں کی تصویر دیکھ کر تو یہی لگتا ہے کہ اس مرض میں مبتلا رہنے کا تجربہ ہوگا ان میں خفیہ امراض بھی ہوتے ہیں جو اس قدر خفیہ ہوتے ہیں کہ علاج کرنے والے حکیم کو بھی ان کا پتہ نہیں ہوتا۔

اندھے دو قسم کے ہوتے ہیں ایک وہ جو دیکھ نہیں سکتے اور دوسرے وہ جو دیکھتے نہیں ایسے ہی حکیم دو قسم کے ہوتے ہیں ایک سابقہ مریض دوسرے وہ جن کا سابقہ مریضوں سے رہتا ہے جیسے دانشور جتنا بے وقوفوں سے فائدہ اٹھاتے ہیں اتنا بے وقوف ان دانشوروں سے نہیں اٹھاتے۔ ایسے یہ حکیم مریض سے جو استفادہ کرتے ہیں اتنا مریض حکیموں سے نہیں کرپاتے۔ حکیم مچھیڑ انوی نے تو جب دیواروں پر ان کے اشتہار لکھنے والے کاتل دیکھا تو کہا جتنے پیسے تم نے میرے اشتہار لکھنے کے لئے ہیں اتنے تو میں خود نہیں کما پاتا تو اشتہار لکھنے والے نے کہا اسی لئے میں نے آپ کا پیشہ چھوڑ کر یہ اپنایا ہے۔ بہرحال ہمیں ان فحش اشتہاروں پر دو ماہ کے لئے پابندی لگنے سے خوشی ہوئی ہے۔ بظاہر اس میں خوشی کا پہلو یہی ہے کہ یہ پابندی صرف دو ماہ کے لئے ہے۔

○○○

• "سر" گذشت

کوئی ہم سے پوچھے کہ عوام کے پاس سر چھپانے کو کیا ہے؟ تو ہم یہی کہیں گے "بال"۔ ہر قسم کے حالات میں یہ "بال" بڑھتے چلے گئے یہ "بال" تو محکمہ منصوبہ بندی والوں سے کم نہ ہوئے جو وبال سے مراد بھی اور بال لیتے ہیں۔ لیکن پچھلے دنوں ایک رسالے میں شائع ہونے والی سروے رپورٹ میں تھا کہ اسمبلیاں ٹوٹنے کے وقت میں سر کے بال کم ہونے لگتے ہیں۔ اگرچہ یہ واضح نہیں کیا گیا کہ کن سروں کے بال زیادہ گرنے لگتے ہیں تاہم ہماری آنکھوں کے سامنے اپنے کئی لیڈروں کے سر گھوم گئے۔ قیاس ہے کہ ان دنوں وہی سر محفوظ رہتے ہوں گے جو انگریزی والے سر ہیں۔ اس رپورٹ کو پڑھنے کے بعد سے ہم جب بھی صبح کنگھا کرتے ہیں تو ہمیں ایک آدھ اسمبلی ٹوٹتی محسوس ہوتی ہے۔

سر کے بال بڑا بلند مقام رکھتے ہیں ہمارے ہاں تو ایک رشتہ بالوں کے نام سے ہے" ہم زلف۔ آرمینائی ضرب المثل ہے لمبے بالوں والی لڑکی دو لڑکیوں کے برابر ہوتی ہے۔ بالوں میں بڑا حسن ہے اگرچہ "بڑا" حسن ہمارے ہاں پنجابی اور پشتو فلموں میں ہوتا ہے۔ بالوں سے دل میں بال بھی آجاتا ہے۔ چارلی چپلن سے کسی نے پوچھا کونسی عورتیں زیادہ وفادار ہوتی ہیں۔ سنہرے بالوں والی' بھورے بالوں والی یا کالے بالوں والی۔ تو اس نے کہا جس کے بال سفید ہوچکے ہوتے ہیں۔ سر ڈھانپنے کے لئے بال بہترین لباس ہیں یوں گنجا ہونا برہنگی کے زمرے میں آتا ہے۔ فرانس کا بادشاہ ہنری دہم گنجا تھا وہ ہر روز نئی وگ پہنتا تاکہ روزانہ جو بالوں کی لمبائی میں اضافہ ہوتا ہے وہ نئی وگ میں شامل ہوسکے۔ رات کو وگ اتارتا تو یوں خادم کے حوالے کرتا کہ وہ سر نہ دیکھ سکے۔

ایک مرتبہ خادم نے وگ دیتے ہوئے پردے کو ضرورت سے زیادہ ہٹا دیا جس سے ہنری دہم کا گنجا سر دکھائی دینے لگا تو بادشاہ نے خادم کے بالوں کے نیچے سے سر نکلوا دیا۔

جادو وہ جو سر چڑھ کر بولے مگر آج کل تو جادوگر بھی سر چڑھ کر بولتا ہے جیسے ڈینٹل سرجن ہنسے بھی تو لوگ اس کا برا نہیں مناتے کہ اس کا تو کام ہی دانت نکالنا ہے۔ ایسے ہی عوام کا کام حکمرانوں کو سر پر بٹھانا ہے۔ کیا پتہ تھا سر پہ بیٹھ کر وہ یہ کام کرنے لگیں گے۔ اس سے پہلے حجامت حجام، پولیس والے اور سکول ماسٹر کیا کرتے تھے۔ سر دو طرح کے ہوتے ہیں ایک سربراہ اور دوسرے سر بے راہ۔ سر سام بھی ایک بیماری ہے جی ہاں سرا سام ہمارے ہاں ایک بیماری ہے۔ ہم سے کوئی بحیثیت ڈاکٹر پوچھے کہ بال گرنے لگیں تو کیا کرنا چاہیے تو ہم یہی کہیں گے بال گر رہے ہوں تو نیچے سے ہٹ جانا چاہیے۔ سنا ہے گنجے خاوندوں کی بیویوں سے زیادہ لڑائیاں ہوتی ہیں۔ ظاہر ہے لڑائیاں نہ ہوتیں تو وہ گنجے کیسے ہوتے۔ ہمارے ایک دوست کے بال تیزی سے کم ہونے لگے تو اس نے ڈاکٹر سے دوائی لی اور بال کم ہونے کم ہوگئے۔ ہم نے پوچھا ڈاکٹر نے تمہیں کیا دوائی دی تھی۔ کہا بیوی کے غصے پہ کنٹرول پانے والی دوائی۔

ہم سمجھتے تھے گنجا ہونا پیدائشی صفت ہے جب بچہ پیدا ہوتا ہے تو گنجا ہوتا ہے جیسے بد سے بدنام برا اس لئے ہوتا ہے کہ بد کو تو لوگ اس کی اپنی صلاحیتوں کی وجہ سے جانتے ہیں مگر بدنام تو دوسروں کی صلاحیتوں کی وجہ سے پہچانا جاتا ہے۔ اس سے قبل بندے کی ٹنڈ اس کی اپنی کرتوتوں کی وجہ سے ہوا کرتی مگر اس سروے رپورٹ کے مطابق اب حکمرانوں کی کرتوتوں کی وجہ سے ہوا کرے گی۔ فضا کی آلودگی کی وجہ سے پہلے ہی لوگ گنجے ہو رہے ہیں صرف وہ گنجے نہیں ہو رہے جو پہلے ہی ہیں۔ گنجے ہونے کا صرف یہی فائدہ ہوتا ہے کہ بندے کو بال گرنے کا ڈر نہیں رہتا ایک صحافی نے پوچھا جس کا کنگھا صاف اور سر کے بال الجھے نہ ہوں اس شخص کو کیا کہتے ہیں؟ کہا "گنجا۔"

ویسے یہ ممکن ہے یہ سروے کسی بال گرنے بند کرنے والی دوا ساز کمپنی نے کروایا ہو اور وہ ہمیں سیاسی حالات سے ڈرا کر اپنے غیر سیاسی حالات بہتر کرنا چاہ رہی ہو کیونکہ آج کل اشتہارات کا شعبہ اتنی ترقی کر گیا ہے کہ ایک اشتہار شائع ہوا کہ ایک لکھے

پتی خوبصورت نوجوان کے لئے رشتہ درکار ہے۔ ایسی لڑکی ترجیح دی جائے گی جو اس نوجوان کے تحریر کردہ ناول کی ہیروئن سے مشابہ ہو۔ دو دن کے اندر اندر اس ناول کی تمام کاپیاں بک گئیں۔ لیکن اب تو لگتا ہے بال گرنے بند کرنے کے لئے ایسی دوائیاں مارکیٹ میں آنی چاہئیں جو سکری' خشکی اور آٹھویں ترمیم کا خاتمہ کرتی ہوں کیونکہ اگر اسی رفتار سے اسمبلیاں ٹوٹتی رہیں تو وگوں کے بال بھی گرنے لگیں گے۔ ویسے ہمارے بعض معروف ادیبوں کو دیکھ کر لگتا ہے غلام محمد صاحب نے بھی اسمبلی ان کی آنکھوں کے سامنے توڑی تھی۔ غلام محمد صاحب تو ساتھ سر بھی توڑ دیتے تھے۔ ایک بار قدرت اللہ شہاب صاحب کو اپنے کمرے میں بلایا۔ قدرت اللہ شہاب داخل ہوئے تو فرش پر فائل گر پڑی تھی اسے اٹھانے جھکے تو تڑاخ سے ان کے سر پر ٹائم پیس دے مارا۔ پھر یوں انہیں دیکھتے رہے جیسے نشانے کی داد طلب کر رہے ہوں اور کہا "ٹائم پیس اٹھا کر لاؤ" قدرت اللہ شہاب صاحب نے جب ٹائم پیس واپس پکڑایا تو گورنر جنرل غلام محمد صاحب کو ٹائم پیس شہاب کے سر پر مارنے کا بڑا دکھ ہوا کیونکہ سر سے ٹکرانے کی وجہ سے ٹائم پیس پر بہت بڑا گومڑا پڑ گیا تھا۔

ہمیں چیزیں توڑنے والے لوگ اچھے نہیں لگتے۔ ہمیں تو سکول میں ریکارڈ توڑنے والے لڑکے کبھی نہ بھائے۔ سکول کا ریکارڈ ٹوٹنے سے بچانے کے لئے ہم نے یہ تجویز دی تھی کہ سکول میں ریکارڈ رکھا ہی نہ جائے۔ ایسے ہی اسمبلی ٹوٹنے سے بچانے کا ایک طریقہ تو یہ ہے اسمبلی ہو ہی نہ۔ اگر اسمبلی نہ ہو گی تو وہ جتنی مرضی کوشش کر لیں اسے توڑ نہ سکیں گے لیکن ایک دوست نے بتایا ہے کہ اگر اسی رفتار سے اسمبلیاں توڑی گئیں تو سر کے بال بھی گرنے بند ہو جائیں گے۔ ظاہر ہے سر پر بال رہیں گے تو گریں گے۔

• زیبا اور نازیبا

اگرچہ ہمارا فلموں سے کبھی تعلق نہیں رہا' پھر بھی ہم جانتے ہیں جیسے کالجوں میں دو قسم کے شاگرد پائے جاتے ہیں۔ شاگرد رشید اور شاگرد شیخ رشید۔ ایسے ہی الفاظ بھی دو طرح کے ہوتے ہیں ایک زیبا اور دوسرے نا زیبا۔ دنیا کے دو ذخائر جہاں سے زیادہ نازیبا الفاظ ملتے ہیں وہ دماغ' دھن اور ڈکشنری ہیں' جبکہ زیبا الفاظ کے بارے میں کالعدم عالمی اردو کانفرنس کے کنوینر اداکار محمد علی ہم سے بہتر بتا سکتے ہیں۔ تاہم نواب زادہ نصر اللہ کا یہ بیان پڑھ کر میں نے پی ڈی اے کے جلسے کے بارے میں "شادی بیاہ" جیسے الفاظ استعمال نہیں کئے بلکہ میں نے ساری زندگی ایسے الفاظ استعمال نہیں کئے۔ یہ تو قرین قیاس ہے کہ انہوں نے اپنی شادی پر یہ الفاظ استعمال نہ کئے ہوں' اسے ازدواجی اتحاد کہہ کر نکالا ہو گا لیکن ساری زندگی "ایسے" الفاظ استعمال نہ کرنے کا انہوں نے یوں کہا ہے کہ ہمیں لگا شادی بیاہ کوئی نازیبا لفظ ہے۔؟ ہمارے ہاں لڑکا لڑکی اپنے منہ سے شادی بیاہ کا لفظ نکالیں تو بزرگ آنکھیں' چھاتی اور چھڑی نکال کر یوں پیچھے پڑ جاتے ہیں جیسے انہوں نے کوئی فحش لفظ کہہ دیا ہو گا۔ صاحب ڈاکٹر ہونے کے ناطے سے ہم تو یہ جانتے ہیں دنیا میں صرف ایک لفظ فحش ہے جسے ہر کسی نے فحش کہا وہ لفظ ہے "فحش" انگریزی میں شادی کو Marri Age کہتے ہیں۔ اگرچہ انگریزوں نے شادی کے ساتھ ایج یعنی عمر لگا دی ہے۔ تاہم ایک صحافی نے الزبتھ ٹیلر سے پوچھا بندے کو آخری شادی کس عمر میں کرنا چاہیے۔ اس نے کہا عمر کا تو پتہ نہیں البتہ آخری شادی بندے کو آخر میں کرنا چاہیے۔ ہو سکتا ہے نواب زادہ صاحب کو یہ لفظ اس لئے پسند ہوں کہ اس میں بندے کو تین بار قبول ہے قبول ہے' قبول ہے کہنا پڑتا ہے۔ یا ممکن ہے وہ شادی کو جمہوری عمل نہ سمجھتے ہوں۔ کنگ ایڈورڈ میڈیکل کالج میں اپنی طالب علمی کے دوران ہم نے ایک سروے کیا تھا' جس میں پوچھا گیا تھا کہ پاکستان کے سب سے بڑے ڈکٹیٹر

کا نام لکھیں۔ جواب میں شادی شدہ خواتین میں سے کچھ نے اپنے خاوندوں کے نام لکھ دیئے تھے۔ اگرچہ امریکہ میں اتنی جمہوریت ہے کہ وہاں گھروں میں بھی جمہوری نظام چلتا ہے۔ روز ویلٹ کے دور میں جینٹر لانگ ایک بار گھر آیا تو اس کی بیوی اپنے "بوائے فرینڈ" کے ساتھ "فرینڈلی" ہو رہی تھی۔ بوائے فرینڈ کھسکنے لگا تو بیوی بولی میرے خاوند جمہوریت پر یقین رکھتے ہیں۔ اس کمرے میں ہم دو ہیں اور یہ ایک' سو انہیں اکثریت کی بات ماننا پڑے گی۔ خواجہ معین الدین صاحب نے تو جمہوریت کی کمال تعریف کی ہے۔ طلبہ سے پوچھا ہمایوں اور اکبر میں باپ کون تھا؟ اگرچہ دونوں ہی باپ تھے اپنے اپنے بچوں کے۔ بہرحال دس لڑکوں میں تین نے کہا ہمایوں اکبر کا باپ تھا۔ بعد میں تاریخ نے بھی یہی ثابت کیا اور اکبر ہمایوں کا بھی باپ نکلا۔ جمہوریت اور مارشل لاء میں وہی فرق ہے جو کنوارگی اور شادی میں ہے۔ نواب زادہ صاحب کی طرح ہم خود مارشل لاء کی مار سے شل ہیں۔ پیر پگارا تو ہیں جنہیں جو مارشل لاء بھی یوں کہتے ہیں جیسے کہہ رہے ہوں مارشل لا۔

ہم اس سب کے باوجود شادی بیاہ کو نازیبا الفاظ میں شامل نہیں کر سکتے۔ جس کی ایک وجہ تو یہ ہے یہ لفظ نہیں پورا جملہ بمع جملہ حقوق ہے۔ اگرچہ یہ جملہ دنیا میں سب سے کم مرتبہ جن کے منہ سے نکلا وہ شادی شدہ لوگ ہیں۔ ویسے بھی عورتیں یہ بتانے کے لئے کہ وہ شادی شدہ ہیں انگوٹھیاں اور زیورات پہنتی ہیں۔ جب کہ مرد اس مقصد کے لیے پچھلے سال کے کپڑے پہنتے ہیں۔ ہمارے ہاں محبت کا انجام شادی پر ہوتا ہے۔ گویا شادی نہ ہوتی تو محبت انجام تک نہ پہنچتی' جاری رہتی۔ ایسے ہی جمہوریت کی کوششوں کا انجام مارشل لاء پر ہی ہوتا ہے۔ اگرچہ شادیوں کی ناکامیوں کی وجہ تو یہ سمجھ میں آتی ہے کہ زیادہ تر ان لوگوں کی شادیاں ہو رہی ہیں جنہیں پہلے شادی کا تجربہ نہیں ہوتا۔ حکومت کی ناکامیوں کی کیا وجہ ہے' اس کی سمجھ میں نہیں آتی۔ جہاں تک نواب زادہ صاحب کے شادی بیاہ کے لفظ استعمال نہ کرنے کی وجہ کا تعلق ہے تو یہ بھی ہو سکتا

ہے کہ شادی کا مطلب خوشی ہوتا ہے اور نواب زادہ صاحب اگرچہ دیکھنے میں ایسے لگتے ہیں کہ بندہ سوچتا ہے ابھی ہنسائیں گے۔ ہاتھ میں چھڑی' پاجامہ پہننے اور عملی جامہ پہنانے کا شوق' بوٹ' قمیض اور منہ میں پان' سر پر ترکوں کی ترک کی ہوئی ٹوپی' لیکن بات سنجیدہ کرتے ہیں۔ جیسے پگاڑہ صاحب سنجیدہ بات کر دیں تو لوگ ان کی عیادت کو آنے لگتے ہیں۔ ایسے ہی نواب صاحب کے منہ سے کوئی خوشی کی خبر سن لے وہ سب سے پہلے ماہر امراض کان ناک گلا سے کان چیک کرائے گا۔ سو ہمیں یقین ہے کہ شادی بیاہ کے الفاظ نوابزادہ صاحب نے کہے ہی نہیں۔ یہ مصطفیٰ کھر صاحب کا بیان ہے جو غلطی سے نواب صاحب کے نام سے چھپ گیا۔

○○○

• 4 پائی

مغربی ڈاکٹروں نے تحقیق و تفتیش کے بعد اعلان کردیا ہے کہ اگر آپ روزانہ کرسی ہلائیں تو ہر قسم کی بیماریوں سے محفوظ رہیں گے۔ میڈیکل کالج ورجینیا نے اس تحقیق کی تصدیق کی ہے اگرچہ یہ کوئی نئی دریافت نہیں۔ نوابزادہ نصر اللہ خان صاحب کی صحت کا راز یہی ہے تاہم ہم سمجھتے ہیں کہ کرسی کے ہلتے رہنے سے بیٹھنے والے کا وزن کم ہوتا ہے۔ ہمیں امید تھی کہ اب سلمنگ سنٹرز بھی یہی طریقہ استعمال کرنے لگیں گے۔ قیام پاکستان کے بعد سے یہ طریقہ ہمارے برسر اقتدار حلقوں میں تو پہلے ہی رائج رہا سابق وزیر اعظم بلکہ حسب سابق وزیر اعظم خواجہ ناظم الدین اتنا کھاتے کہ لوگ انہیں خواجہ ہاضم الدین کہتے۔ ان کے دور میں جب خوراک کا قحط پڑا تو بیرونی ممالک کے صحافی اپنے اخباروں کو اس قحط کی جو وجوہات بھجواتے ان میں خواجہ صاحب کی تصویریں بھی ہوتیں وہ تو خواجہ صاحب کا تلفظ بھی یوں کرتے "کھا جا صاحب" کسی نے کہا آپ گھڑ سواری کریں تو آپ کا وزن کم ہوجائے گا اور واقعی ایک ماہ بعد وزن آدھا رہ گیا جی ہاں گھوڑے کا وزن آدھا رہ گیا۔ تاریخ گواہ ہے کہ خواجہ صاحب کا وزن اس دن کم ہوا جب غلام محمد صاحب نے ان کی کرسی ہلائی وہ بھی یوں کہ خواجہ صاحب نے بعد میں کبھی لنگڑے آم تک کو منہ نہ لگایا۔ سکندر مرزا صاحب کی غیرت ناہید کا وزن بڑھا تو انہیں نے ہر جتن کیا۔ بیوی کے یوں آگے پیچھے پھرتے کہ خاوند کم اور ہمسایہ زیادہ لگتے مگر خاتون اول ناہید خانم کا وزن بھی صدر ایوب صاحب کے کرسی ہلانے سے ہی کم ہوا۔ جن دنوں انگلینڈ میں ضبط تولید کی گولیاں استعمال کرنے کی مہم زوروں پر تھی تو ایک صاحب ٹرین میں دس چھوٹے چھوٹے بچوں کے ساتھ سفر کر رہے تھے کسی نے حیرانی سے پوچھا یہ سب آپ کے ہیں؟ کیا تمہیں میں ضبط تولید

کی گولیاں بیچتا ہوں یہ میرے گاہکوں کی شکایتیں ہیں۔ سو ہماری قیام پاکستان سے اب تک کی تاریخ دراصل کرسی کی ہی شکایتوں پر مبنی ہے۔ کرسی نے وہ کیا کہ ہم جیسے تو بن کرسی آیت الکرسی پڑھنے لگتے ہیں۔ ہمیں کرسی کبھی بھی اچھی نہیں لگی ہم پاکستانیوں کو وہ فرنیچر بھاتا ہی نہیں جس پر ہم لیٹ نہ سکیں کیونکہ لیٹ جانا تو ہماری عادت ہے' ہمارے وزراء تو بیرون ملک تقریبات میں بھی اکثر لیٹ جاتے ہیں۔ سچ پوچھیں تو ہمیں کرسی چارپائی کے مقابلے میں چار پایہ لگتی ہے' یہی نہیں اس پر بیٹھتے ہی بندے میں ایسی عادات بھی آجاتی ہیں۔ کہتے ہیں کرسی وہ چوپایہ ہے جس کے بازو بھی ہوتے ہیں' ہوسکتا ہے آپ کہیں کہ چوپایہ تو وہ چار ٹانگوں والا کہلاتا ہے جو چلتا ہے تو صاحب ہم نے تو ان سے زیادہ اپنے ہاں کرسیاں ہی چلتی دیکھی ہیں۔ پھر بقول اخلاق احمد آپ کرسی پر اردو میں نہیں بیٹھ سکتے' پنجابی میں بیٹھنے کی کوشش کریں تو ساتھ کرسی بھی بیٹھ جاتی ہے۔ مغرب میں ہر چیز بجلی سے چلنے لگی تو بجلی والی کرسیاں بھی آگئیں مگر چارپائی کو ایک پائی کا فرق نہ پڑا' ہم تو چاہتے ہیں کہ ملک میں کرسی کی بجائے چارپائی کو رواج دینا چاہیے کیونکہ کرسی پر تو صرف ایک بندہ بیٹھ سکتا ہے جبکہ ہم نے چارپائی کے ہوتے ہوئے کسی کو کھڑے نہیں دیکھا اب کچھ حالات سے لگ رہا تھا کہ چارپائی بچھنے والی ہے مگر اہل مغرب چاہتے ہیں ہم روز کرسی ہی ہلانے میں لگے رہیں۔ سائنسدانوں نے اب اس کام کے طبی فائدے بھی گنوانے شروع کر دیئے ہیں۔

○○○

• خوشامدید

مائیکل جیکسن نے جب پہلی بار بک کہا تو ہم نے یہی سمجھا کسی نے انھیں گانے کے لیے بک کیا ہو گا مگر اب پتہ چلا کہ نہ صرف خود بک ہیں جس کی پروف ریڈنگ پلاسٹک سرجن ابھی تک کر رہے ہیں بلکہ ان کی شاعری کی بک "ڈانسنگ دا ڈریم" بھی چھپ گئی ہے۔ مائیکل جیکسن ان لوگوں میں سے ہیں بندہ ان کے والد کا نام پوچھے تو کہتے ہیں "سیلف میڈ ہوں" برسوں سے امریکی ان کے بالغ ہونے کا انتظار کر رہے تھے' مگر ہمیں پتہ تھا جو چالیس سال تک بالغ نہ ہو سکے پھر عمر بھر اس کے بالغ ہونے کا خدشہ نہیں رہتا۔ ویسے بھی کہتے ہیں بڑا شاعر بننے کے لیے سب سے پہلی شرط یہ ہے کہ بندہ چھوٹا بچہ بنے۔ مائیکل ان شرائط پر پورا اترتا بلکہ اتراتا ہے۔ اس کا حلیہ دیکھ کر تو ہمیں پہلے ہی اس پر شاعر ہونے کا شک تھا۔ جب اداکارہ انجمن نے شاعری شروع کی تو شاعروں نے اعتراض کیا کہ وہ "وزن" کا خیال نہیں رکھتیں۔ اب انہوں نے شاعری چھوڑ دی ہے' پھر بھی شاعر یہی کہتے ہیں۔ مگر انگریزی شاعری میں ایسا کوئی مسئلہ نہیں۔ ویسے بھی مائیکل کی صحت ایسی ہے کہ کسی کو ان کی تصویر بنانے کو کہا جائے تو وہ کاغذ پر کالی پنسل سے لمبا الف کھینچ دیتا ہے۔ اگرچہ الف ہونا شاعری سے زیادہ شو بزنس میں چلتا ہے۔ تاہم کسی شاعر نے ان کی شاعری پر اعتراض نہیں کیا۔ ہو سکتا ہے اس کی وجہ یہ ہو کہ شیشے کے گھر میں رہنے والے دوسروں پر پتھر نہیں پھینکتے۔ حالانکہ ہمارے خیال میں تو شیشے کے گھر میں رہنے والوں کی اصل پریشانی یہ نہیں بلکہ غسل کرنا ہے۔ بہرحال ہم ادب میں مائیکل جیکسن کو خوش آمدید کہتے ہیں۔ اگرچہ ہمارے شاعر دوست آخر مراد آبادی تو کسی امریکی کو خوش آمدید بھی یوں کہتا ہے جیسے خوشامدید کہہ رہا ہو۔ البتہ وہ امریکہ سے ناراض ہو تو پھر اسے ہائے امریکہ نہیں کہتا "بائی" امریکہ کہتا ہے۔ ویسے بھی آج کل جس نے کبھی خوشامد نہیں سنی

اس سے ہمیں ہمدردی ہے۔ ظاہر ہے بہروں سے ہمدردی ہی ہو سکتی ہے۔
ہم یہ تو نہیں کہتے کہ مائیکل جیکسن بڑے قیمتی شاعر ہیں کیونکہ ایک بار ہم نے لکھ دیا فلاں ہماری قیمتی شاعرہ ہیں تو آخر مراد آبادی کئی دن تک ہم سے قیمت پوچھتے رہے۔
ویسے بھی ہمارے ہاں تو بندہ اس وقت تک شاعر نہیں بن سکتا جب تک اس کے پاس ذاتی تخلص نہ ہو۔ ہم نے ایک بار اپنے دوست کو کہا کہ آپ اپنا تخلص فراموش رکھ لیں تو وہ ناراض ہو گیا۔ حالانکہ قصور ان کے والدین کا تھا جنہوں نے اس کا نام احسان رکھا تھا۔ سو اس حساب سے مائیکل جیکسن شاعر بننے سے بچا ہوا ہے۔ کہتے ہیں اس نے اپنی شاعری کی کتاب پر کئی برس کام کیا! اسی لئے اس کتاب میں کام ہی کام ہے شاعری نہیں۔ وہ تو پیاس کی بات بھی یوں کرتا ہے کہ بندہ پانی پانی ہو جاتا ہے۔ اس کی نظمیں سمجھنے کے لیے اسے سمجھنا ضروری ہے اور مائیکل کو سمجھنا بڑی نا سمجھی ہے۔ ایک بار رابرٹ براؤننگ نے اپنی تجریدی نظم "سورڈیلو" لندن پوئٹری سوسائٹی میں پڑھ کر سنائی۔ جب ان سے نظم کا مفہوم بتانے کو کہا گیا تو رابرٹ براؤننگ نے وہ نظم دوسری مرتبہ پڑھ دی اور کہا کہ جب میں نے اسے لکھا تھا تو خود اور خدا کے علاوہ اس کا مطلب کوئی نہ جانتا تھا' لیکن اب صرف خدا ہی جانتا ہے۔ الزبتھ ٹیلر نے اس کتاب کا دیباچہ لکھا ہے۔ ہو سکتا ہے آپ کہیں کہ الزبتھ ٹیلر نے خود شاعری کیوں نہیں کی۔ کبھی کبھی بندے کو ایک آدھ گھنٹہ فارغ مل ہی جاتا ہے لیکن الزبتھ کو اتنا فارغ وقت ملے تو شادی کر لیتی ہیں۔ ویسے شادی اور شاعری میں یہی قدر مشترک ہے کہ دونوں کاموں کے لئے کسی کوالیفکیشن کی ضرورت نہیں۔ یہ سچ ہے کہ برا آدمی کبھی اچھا شاعر نہیں بن سکتا البتہ براشاعر اچھا آدمی بن سکتا ہے اگر وہ شاعری چھوڑ دے۔

صاحب دنیا میں سب سے بوگس کتاب وہ ہوتی ہے جسے کوئی ادھار لے اور پھر اسے واپس بھی کر دے اور اس سے بوگس کتاب وہ ہوتی ہے جسے کوئی ادھار ہی نہ مانگے۔
ویسے ہم تو کسی کو اپنی کتاب کا نسخہ پیش بھی کر دیں تو وہ فون کر کے یہی پوچھتا

ہے ڈاکٹر صاحب نسخے کی ترکیب استعمال کیا ہے؟ ظفر اقبال صاحب تو کہتے ہیں میں سونگھ کر بتا دیتا ہوں کتاب کیسی ہے؟ چاہے کتاب شکایات کے متعلق نہ بھی ہو لیکن ہم کتاب کے بارے میں اس وقت تک ہمیشہ اچھی رائے کا اظہار کرتے ہیں جب تک اسے پڑھ نہ لیں۔ سو مائیکل کی شاعری کی کتاب بہت اچھی ہے ویسے بھی ہم شاعری کی کتاب پڑھ کر زیادہ سے زیادہ یہی کہہ سکتے ہیں کہ یہ شاعری کی کتاب ہے۔ تاہم الزبتھ ٹیلر نے کہا ہے اس کتاب میں ایک روشنی ہے۔ تو صاحب روشنی تو ہمارے ہاں چھپنے والی شاعری کی کتابوں میں بھی ہوتی ہے مگر اس کے لئے کتاب کو ماچس دکھانا پڑتی ہے۔

○○○

• سیاسی گداگر

صاحب! گداگری میں ہمیں تو اس کے علاوہ کوئی خوبی نظر نہیں آتی کہ یہ واحد پیشہ ہے جس میں آپ کسی تعارف کے بغیر کسی بھی راہ چلتی خاتون کو کھڑا کرکے اس سے بات کر سکتے ہیں' لیکن نیویارک کی عدالت کو پتہ نہیں اس میں کیا نظر آیا ہے کہ اس نے آئین کی پہلی ترمیم کے تحت اسے آزادیِ اظہار قرار دے دیا ہے بلکہ یہاں تک کہہ دیا ہے کہ اگر ووٹ مانگنے میں کوئی قباحت نہیں تو پھر بھیک مانگنے میں کیوں ہو؟

ہم تو بھیک مانگنے کو ایک سماجی برائی سمجھتے ہیں' بھکاریوں کی بڑھتی ہوئی تعداد اس کا ثبوت ہیں' اگر یہ نیکی کا کام ہوتا تو دن بدن بھیک مانگنے والوں کی تعداد کم نہ ہو جاتی۔ مانگنا دنیا کا دوسرا قدیم ترین پیشہ ہے۔ پہلے قدیم ترین پیشے کے "اسرار و رموز" جاننے والے جانتے ہیں کہ اس کا ووٹ مانگنے والوں سے کیا خوبصورت رشتہ ہے۔ یاد رہے خوبصورت رشتہ وہ رشتہ ہوتا ہے جو کسی خوبصورت سے ہو لیکن عدالت نے بھیک مانگنے اور ووٹ مانگنے والوں کا اکٹھا ذکر کیا ہے جس کی وجہ شاید یہ ہو کہ فی زمانہ انہی دو طبقوں کی تعداد میں اضافہ ہو رہا ہے۔ آپ مجھے جتنے سیاستدان دکھائیں گے میں آپ کو اتنے بھکاری دکھا دوں گا۔ کہتے ہیں مردہ سیاستدان زندہ بھکاری سے بہتر ہوتا ہے۔ ہمارے ہاں تو مردہ سیاستدان زندہ سیاستدان سے بھی بہتر اور قابلِ اعتماد ہوتا ہے۔ کسی نے پوچھا "ایک سیاستدان سے زیادہ ناقابلِ اعتبار کوئی ہے؟" کہا "ہاں ہے۔ دو سیاستدان" ہمیں بھکاری پسند نہیں ہیں جس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ بھکاری "پسند" کرنے کے لیے ہوتے ہی نہیں۔ وہ تو بھیک مانگنے کے لیے ہوتے ہیں؟ آپ کو کسی مرد یا عورت کے بارے میں حتمی رائے قائم کرنا ہو تو یہ نہ دیکھیں اس کے پاس کیا ہے یہ دیکھیں' وہ مانگتا ہے؟ ابن انشاء لکھتے ہیں' ایک مولانا صاحب نماز کے بعد دعا مانگ رہے تھے "یا اللہ! مجھے ایمان

دے' مجھے ہدایت دے" پاس ہی ایک بندہ دعا مانگ رہا تھا "یا اللہ! مجھے دولت دے' مجھے روپے دے" مولانا صاحب نے ڈانٹ کر کہا "تو یہ کیا مانگ رہا ہے' خدا سے مانگنا ہی ہے تو یہ مانگ کہ مجھے ایمان دے' مجھے ہدایت دے" تو روپے پیسے مانگ رہا ہے" تو وہ بولا "بندہ وہی مانگتا ہے جو اس کے پاس نہیں ہوتا" ہمارے ہاں بھیک یوں مانگتے ہیں جیسے اپنا حق مانگ رہے ہوں۔ اس پر ہمیں اعتراض نہیں' اعتراض اس پر ہے کہ حق یوں مانگتے ہیں جیسے بھیک مانگ رہے ہوں۔ شہروں میں تو بچوں کو صبح سویرے ہی ان کے والدین بھیک مانگنے کے لیے بھیج دیتے ہیں۔ بھکاری اور رشتہ داری میں یہ فرق ہوتا ہے کہ بھکاری یہ تو نہیں کہتا کہ آپ کے پاس کچھ نہیں تو کسی سے ادھار لے کر دے دیں۔

بینکرز کی ڈکشنری میں جو شخص پانچ دس روپے مانگے' وہ بھکاری اور جو پانچ دس کروڑ مانگے' وہ زرداری۔ سیاستدان غریبوں کو یہ کہہ کر کہ تمہیں امیروں سے بچائیں گے' ووٹ لیتے ہیں اور امیروں کو یہ کہہ کے کہ تمہیں غریبوں سے بچائیں گے' پیسے لیتے ہیں' کہتے ہیں کولمبس جب سفر پر نکلا تھا تو اس کے پلے کچھ نہ تھا' لوگ اس کے ساتھ تھے مگر کسی کو پتہ نہ تھا وہ انہیں کدھر لے جا رہا ہے' رقم وہ لوگوں سے مانگ کر نکلا تھا' آج ایسے کولمبس کو انتخابی امیدوار کہتے ہیں' صاحب! الیکشن پڑھائی اور ایک میں کامیابی کے لیے فل بھیک ضروری ہے۔ ہمارے ہاں رہنما مہنگائی کی طرح بڑھ رہے ہیں' ایک پشتو حکایت ہے: ایک بزرگ کسی گاؤں سے گزرے' گاؤں والوں نے اچھا سلوک کیا تو انہوں نے دعا کی اللہ تمہارے ہاں ایک رہنما پیدا کردے۔ اگلے گاؤں والوں نے برا سلوک کیا تو بددعا دی کہ خدا آپ کے گھر گھر میں رہنما پیدا کردے۔ عدالت نے ہمارے ہی نہیں' دنیا بھر کے سیاستدان کو بھکاریوں کے ساتھ ملا دیا ہے جس پر احتجاج ہونا چاہیے لیکن کس کی طرف سے ہونا چاہیے' اس کا ہمیں پکا پتہ نہیں۔ معاملہ ایسا ہی نہ ہو جو کرنل محمد خان صاحب لکھتے ہیں کہ جہاز میں کسی ایئر ہوسٹس کو چڑیل کہہ دیا تو ایک صاحب نے احتجاج کیا کہ یہ ایئر ہوسٹس کو چڑیل کس نے کہا تو دوسرے

صاحب اچاجابا چلائے "یہ چڑیل کو ایئر ہوسٹس کس نے کہا"

○○○

• حکمت بے عملی

ہمارے ایک مزاح نگار دوست نے کہا ہے کہ حکومت کے لیے بچت کرنے کا سب سے بہتر طریقہ یہ ہے کہ ملک کو ڈیوٹی فری بنائے یعنی سرکاری ملازمین کو ڈیوٹی کرنے سے فری قرار دے دیا جائے۔ یوں اگر ایک دن تمام پولیس والے ڈیوٹی پر نہ جائیں تو تقریباً دو کروڑ روپے کی بچت ہو گی۔ ایسے ہی ایک دن کے لیے کوئی وزیر نہ ہو تب بھی اتنے روپے حکومت بچا سکے گی' پچھلی حکومتوں کے دور میں تو وزیروں کی تعداد اتنی بڑھ گئی تھی کہ جیسے عرب میں اونٹ کے اتنے نام ہیں کہ وہاں کے استاد اپنے نالائق شاگردوں کو پاس ہونے کا یہ کر جاتے ہیں جس بے ڈھنگے لفظ کا مطلب نہ آئے اس کا مطلب اونٹ کہہ دینا۔ ایسے ہی ان دنوں انتظامی افسروں نے اپنے ماتحتوں کو کہہ رکھا تھا' آنے والے جس شخص کو تمہیں سمجھ نہ آئے' سمجھ لینا وہ وزیر ہے لیکن ہم نے وزیروں کی اس تعداد پر اعتراض نہ کیا کیونکہ ہمارے ملک میں ہر ملازمت کے لیے باقاعدہ تعلیمی اسناد دکھانا پڑتی ہیں' یہاں تک کہ ہمارے ہاں تو بیروزگار ہونے کے لیے بھی پڑھا لکھا ہونا ضروری ہے۔ لیکن وزیر مشیر بننے کے لیے کسی تعلیمی سرٹیفکیٹ کی ضرورت نہیں ہوتی اور اسی فیصد تک ان پڑھ آبادی والے ملک میں ایسی پوسٹیں زیادہ ہی ہونا چاہئیں تھی تا کہ ایسے لوگوں کو بھی کوئی سرکاری نوکری مل سکے لیکن لگتا ہے نگران حکومت نے اس مزاح نگار کو سنجیدگی سے لے لیا ہے اور وزارتیں کم کرنا شروع کردی ہیں۔ یوں ریلوے کی وزارت کی وزارت مواصلات میں ضم کردیا ہے۔ وزارت مواصلات کے بارے میں ہم اتنا ہی جانتے ہیں یہ شروع "موا" اور ختم "لات" پر ہوتی ہے لیکن ریل وے تو اب ٹیل وے ہے۔ مزاح نگار محمد خالد اختر صاحب نے کئی برس پہلے لکھ دیا تھا کہ ٹرین کا سفر میرے لیے تکلیف دہ ہو گیا ہے کیونکہ عمر ساٹھ ستر

سال سے اوپر ہو گئی ہے۔ جی ہاں' ٹرین کی عمر' ٹرین کی عمر جب ابھی اس کے اپنے آپ جتنی بھی دراز نہ تھی تب گاندھی جی نے شکایت کی تھی کہ میں جس سیٹ پر بیٹھا تھا وہ آرام دہ نہ تھی۔ کسی نے کہا آپ کسی سے سیٹ بدل لیتے' کہا "کس سے بدل لیتا؟ اس ڈبے میں تو اور کوئی تھا ہی نہیں"

آج کل صرف ٹرین کی چال میں میانہ روی پائی جاتی ہے۔ ٹرینیں اتنی سست ہیں جس سے یہ یقین ہو جاتا ہے کہ مشینوں پر بھی انسانوں کی صحبت کا اثر ہوتا ہے' نارووال جنکشن پر ایک بار ہم نے ایک انجن ڈرائیور سے کہا "تم تیز نہیں چل سکتے" کہا "تیز تو چل سکتا ہوں' مگر مجھے انجن کے ساتھ رہنا ہوتا ہے" ٹرین جتنی مرضی تیز چل لے وہ انجن سے آگے نہیں جا سکتی جیسے پاؤں جتنے بھی تیز چل لیں وہ سر سے آگے نہیں جا سکتے۔ امریکہ نے ایسی گاڑیاں بنائیں جو چاند پر پہنچ گئیں اب وہ اپنی تیز رفتار گاڑیوں پر دوسرے سیاروں اور خدا تک پہنچنا چاہ رہا ہے' مگر اس معاملے میں ہماری سست گاڑیاں اتنی تیز ہیں کہ یہ بندے کو خدا کے پاس پہنچا بھی دیتی ہیں۔ پچھلی بار ٹرین کا حادثہ ہوا تو ڈرائیور نے کہا ٹرین پل سے ٹکرا گئی تو میرا کیا قصور؟ پل میری طرف ستر میل فی گھنٹہ کی رفتار سے آرہا تھا اور آ کر گاڑی سے ٹکرا گیا۔ ٹرین مسافروں کے علاوہ وزنی سامان کے انتقال کے کام بھی آتی ہے۔ اگرچہ مسافر کا سب سے وزنی سامان اسکا خالی پرس ہی ہوتا ہے۔

ریلوے ٹائم ٹیبل اس لیے ہوتا ہے تاکہ بندے کو پتہ چل سکے کہ ٹرین کتنی لیٹ آئی۔ ہو سکتا ہے آپ کہیں کہ اگر ٹرین نے لیٹ ہی آنا ہوتا ہے تو پھر ٹائم ٹیبل کا کیا فائدہ؟ اس حساب سے تو آپ یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ اگر ٹرین نے وقت پر آنا ہے تو پھر ویٹنگ روم کا کیا فائدہ؟ بہرحال ایک بار ہماری آنکھوں کے سامنے یہ ہوا کہ ٹرین نے صبح سات بجے آنا تھا تو وہ سات بجے سٹیشن پر آ کے رکی' میرے ساتھ والا دوست کہہ رہا تھا "ٹرین سات بجنے سے دو منٹ پہلے آ کے رکی تم شام کے جھٹپٹے کی وجہ سے صحیح وقت نہیں دیکھ سکے" ریلوے وزارت ختم کرنے کی وجہ یہ بتائی جاتی

ہے کہ ریلوے مسلسل خسارے میں چل رہی ہے۔ ویسے ہر مسئلے کے کئی حل ہوتے ہیں' اگرچہ کئی حل ہونا بھی ایک مسئلہ ہے۔ جیسے ہم نے ٹی وی کے ایک ماہر سے پوچھا کہ آپ نے لوگوں کو ٹی وی کے بور پروگراموں سے بچانے کے لیے کیا کیا؟ کہا ہم نے ٹی وی سیٹ کے ساتھ ایک آف کا بٹن لگایا ہے۔ ایسے ہی ریلوے کا کوئی فائدہ مند حل سوچا جانا چاہیے۔ جیسے یوسفی کے کردار صبغے نے سوچا' وہ نئی کتابیں خرید کر اپنی دکان میں لگاتے۔ اسی دن ان پر ملنے والے چالیس فیصد منافع کا حساب لگا کر خرچ کر ڈالتے۔ کتابیں سال بھر تک دکان میں بھری رہتیں تو سیل میں ان کو پچاس فیصد رعایت پر فروخت کر دیتے۔ اس طرح اپنے حساب کی رو سے ہر کتاب پر نوے فیصد ناجائز نقصان اٹھاتے۔ انہوں نے اس نقصان سے بچنے کا ایک فارمولا نکالا وہ تھا کہ اب کتابیں یکسر فروخت ہی نہیں کریں گے اور اپنی اس حکمت بے عملی سے نوے فیصد نقصان سے صاف بچ جائیں گے اور یہ منافع نہیں تو اور کیا ہے؟ ایسے یہ فارمولے سے ریلوے بھی سالانہ منافع کما سکتا ہے ورنہ تو اس دور میں ریلوے کی ترقی کا کوئی چانس نہیں جس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ ٹرین صراط مستقیم پر چلتی ہے۔

○○○

• خالہ ملے

برطانیہ کی پارلیمنٹ میں چونکہ بہت چوہے آگئے ہیں اس لیے ہر رکن پارلیمنٹ سے کہا گیا ہے کہ وہ اپنے ساتھ بلی لائے۔ گویا اب وہ بلیاں گن کر اندازہ لگایا کریں گے کہ کتنے رکن پارلیمنٹ حاضر ہیں۔ اگر ہم کہتے کہ برطانیہ کا ایوان خاص چوہوں سے بھرا ہے تو وہ ناراض ہوجاتے جیسے برطانیہ کے مشہور طنز نگار شریڈن نے جو پارلیمنٹ کا ممبر بھی تھا ایک مرتبہ تقریر کرتے ہوئے کہہ دیا "اس ایوان میں آدھے ممبر گدھے ہیں" پارلیمنٹ کے ممبران نے اس سے ان الفاظ پر سخت احتجاج کیا اور مطالبہ کیا کہ وہ یہ الفاظ غیر مشروط طور پر واپس لیں۔ چنانچہ شریڈن اپنی جگہ پر کھڑا ہوا اس نے معذرت کرتے ہوئے کہا "میں اپنے الفاظ واپس لیتا ہوں' ایوان کے آدھے ممبر گدھے نہیں ہیں۔"

صاحب! جانوروں کو اسمبلی میں آنے سے روکنا چاہیے جب بھی الیکشن ہوتے ہیں ہم سب کو یہی احتیاط کرنے کو کہتے ہیں ہم خود تو اس قدر احتیاط کرتے ہیں کہ محتاط رہنے سے بھی احتیاط برتتے ہیں۔ کسی نے کہا گاڑی بیک کرتے وقت شیشہ ضرور دیکھ لیا کرو ایکسیڈنٹ نہیں ہوگا حالانکہ ہمارا ایکسیڈنٹ ہوا ہی آئینہ دیکھنے کی وجہ سے۔ اب تو ہم آئینہ دیکھ کر ہی گھر سے نکلتے ہیں۔ بہرحال انگریزوں کی جانوروں سے محبت کا تو یہ عالم ہے کہ وہ جس سے بے لوث محبت کریں اسے شک ہونے لگتا ہے کہ یہ مجھے جانور سمجھ رہا ہے۔ یقین نہیں آتا وہ چوہوں کے اتنے خلاف کیسے ہوگئے۔ حالانکہ بہت بڑا چوہا بھی بڑا چوہا سا ہی ہوتا ہے ان کی ایک رکن پارلیمنٹ نے تو کہا ہے کہ سیشن کے دوران چوہوں کے دوڑنے کی وجہ سے میں بہت ڈسٹرب ہوتی ہوں۔ میری تو ذرا سے کھٹکے سے آنکھ کھل جاتی ہے۔ سپیکر نے کہہ دیا کہ بلیوں کے بغیر گزارا نہیں۔ اگر وہ معراج خالد جیسے ہوتے تو گزارا کرلیتے۔ معراج خالد ہر قسم کے حالات

میں گزارا کر لیتے ہیں اور شکایت نہیں کرتے۔ ہمیں ان سے یہی شکایت ہے۔ ہمیں لگتا ہے برطانیہ کی اسمبلی بہت چھوٹی ہے جہاں چوہا راج ہے ورنہ ہماری اسمبلی میں تو چوہوں کی بجائے گھوڑے آجاتے ہیں اور ہمیں انہیں روکنے کے لیے باقاعدہ قانون بنانا پڑا۔ پاکستان ہوتا تو اسمبلی سے چوہوں کو نکالنے کے لیے اسمبلی توڑ دی جاتی یا ان موصوفوں کو وزیر بنا دیا جاتا پھر وہ کبھی اسمبلی کی کارروائی کے دوران نظر نہ آتے۔

ہمارے ہاں جو مرد کمزور ہو اسے چوہا کہتے ہیں مگر چوہا کمزور نہ بھی ہو تب بھی اسے مرد نہیں کہتے۔ چوہے اہم کاغذات کھا جاتے ہیں۔ کاغذات اگرچہ ذات کے کاغذ ہوتے ہیں کچھ چھپا نہیں سکتے لیکن سنا ہے پارلیمنٹ کی کارروائی کے کاغذات کھانے والے چوہوں کو یہی پتہ چلتا ہے کہ وہ بانجھ ہوگئے ہیں۔ ہمارے ہاں بھی لائبریریوں میں نقاد اور چوہے کتابیں چاٹ جاتے ہیں اور دونوں تخلیقی نہیں رہتے۔ البتہ ہماری اسمبلی کی کارروائی اتنی لذیذ ہوتی ہے کہ ارکان زخم اور چوہے زبان چاٹتے رہ جاتے ہیں۔ بنگال میں تو چوہے مارنے پر کئی ٹکے انعام ملتا ہے جیسے ہمارے ہاں اشفاق احمد اور بانو قدسیہ ایک زمانے میں گھر کی چیزوں کا حساب یوں لگایا کرتے تھے: یہ صوفہ سیٹ دو ڈراموں میں آیا۔ ان کرسیوں کی قیمت ایک ڈرامہ۔ یہ فریج قسطوں پر لی' ڈرامے کی چھ قسطوں پر۔ ایسے ہی بنگال کے غریب لوگ گھر کا حساب کتاب یوں کرتے ہیں: آدھ پاؤ دال تین چوہا' سینے کے کپڑے کی قیمت دس چوہا لیکن ان چوہوں نے برطانیہ میں بلی کو سٹیٹس مین سمبل بنادیا ہے۔ اگرچہ سٹیٹس مین تو ہمارے ہاں بھی ساتھ بلی ضرور رکھتے ہیں مگر بلی کو تھیلے سے باہر نہیں نکالتے۔

جیسے انسان کتے کا وفادار ساتھی ہے ایسے ہی بلی وفادار کی ساتھی ہے۔ بلی اہل یورپ کے لیے تو خالہ ملت ہے۔ 1346ء سے لے کر 1350ء تک جب اتنے چوہے تھے کہ یورپ کے لوگ گھر میں آکر دراز دیکھتے تو وہاں چوہا ہوتا' بستر میں چوہا' اٹیچی کیس دیکھتے تو اس میں بھی چوہا ہوتا۔ یہاں تک کہ شیشہ دیکھتے تو اس میں بھی چوہا ہوتا۔ ان دنوں جادوگرنیوں نے ٹونوں کے لیے بلیوں کا صفایا کر دیا تھا اور چوہوں نے طاعون سے ان سب

کا صفایا شروع کر دیا۔ عدالت جادوگرنیوں کو یہ سزا سناتی کہ انہیں پتھر سے باندھ کر پانی میں ڈبو دیتے جو ڈوب کر مر جاتی اس کا مطلب ہوتا وہ جادو گرنی نہیں بے گناہ تھی۔ جو بچ جاتی اسے جادوگرنی سمجھا جاتا۔ عدالت یہ سزا دی جاتی کہ اسے زندہ جلا دیا جاتا تب بھی یورپ والوں کو بلیوں نے بچایا۔ آج بھی وہ مصیبت میں ہوں تو بلی سے ہی مدد مانگتے ہیں۔ اب انہوں نے بلی کو پارلیمنٹ بچانے کا فریضہ سونپا ہے ہمیں اسمیں یہ خوشی ہے کہ شاید وہ پاکستان سے بلیاں برآمد کریں جو وہاں چوہے برآمد کرسکیں۔ امریکہ تو آج کل ویسے بھی روس کے ٹکڑوں پہ پل رہا ہے اور نامعلوم کب چین کے ٹکڑوں کے لیے پل پڑے۔ ایسے میں وہ وافع بلیات کیسے ہو سکتا ہے پھر ہماری بلیوں میں یہ خوبی بھی ہے کہ وہ صرف ہمیں ہی میاؤں کرتی ہیں۔ یوں بھی امریکہ کو تو اپنے الیکشنوں پہ گدھے پاکستان سے منگوانے پڑے تھے۔ اس حساب سے تو ہماری بلیاں برطانیہ میں پہنچنا بھی شروع ہو گئی ہوں گی کیونکہ جب امریکی الیکشن کے موقع پہ ایک اخبار نے خبر دی کہ وہاں کی ری پبلکن پارٹی اپنا انتخابی نشان گدھا پاکستان سے منگوانا چاہ رہی ہے تو پاکستان کے تمام گدھے وہاں پہنچنے کی کوششیں کرنے لگے۔ صرف چار ٹانگوں والے گدھے بچے تھے۔

○○○

• بابا ازم

ہماری سیاست میں دو ولی خان ہیں ایک نسیم ولی خان اور دوسرے ساده ولی خان' ان کا ہر فقرہ "بابا" سے شروع ہوتا ہمیشہ کہتے کہ ہمارے بابا سب سے بڑے لیڈر ہیں۔ یہی بات ہے ہم بھی ہی مانتے ہیں کیونکہ ہم نے اپنی اس عمر میں ان سے بڑی عمر کا لیڈر نہیں دیکھا مگر گذشتہ دنوں ولی خان صاحب کا بیان پڑھ کر لگا وہ بابا ازم کو بائے ازم کررہے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ ساٹھ سال سے زیادہ عمر کے سیاستدانوں پر پابندی لگا دینی چاہیے۔ اللہ ان کی زبان اور عمر دراز کرے۔ پہلے ہم نے سمجھا کہ ایک سو ساٹھ سال کہا ہوگا کیونکہ ان کے خاندانی پس منظر کے حسب سے تو ساٹھ ساٹھ سال کے ابھی بچے ہوتے ہیں۔ خان صاحب اپنی لائف پارٹی اور پارٹی کے مزاجی خدا ہیں۔ ان کا تو مزاج ایسا ہے کوئی جاننے والا فوت بھی ہو جائے تو اس کی وفات پر گہرے دکھ اور غم و غصے کا اظہار کریں گے وہ تو دوران گفتگو ضرب الامثال یوں برتتے ہیں لگتا ہے امثال کو ضربیں لگا رہے ہیں۔ ہو سکتا ہے انہوں نے غصے میں آکر یہ بات کہہ دی ہو ویسے بھی ہمارے ہاں بوڑھے سیاست دان ہیں کہاں؟ سب بزرگ سیاست دان ہیں۔ پیر پگاڑا صاحب سے بات کرو تو وہ کہتے ہیں ابھی تو میں جوان ہوں' عبدالستار خان نیازی صاحب کی تو ابھی عمر ہی کیا ہے ان کی تو ابھی شادی بھی نہیں ہوئی۔ حضرت نورانی صاحب سے عمر کی بات کریں تو حضرت عمر کا بتا کر باتوں میں لگا لیتے ہیں۔ نوابزادہ نصر اللہ خان صاحب تو بقول پیر پگاڑا ابھی ہیں ہی نابالغ' کیونکہ نوابزادہ تو نواب کا لڑکا ہوتا ہے۔ ہم نے تو آج تک کسی سیاست دان کو سو سال کی عمر میں بھی خود کو معمر کہلواتے نہیں سنا۔ ایک کرنل قذافی ہیں جو اوائل عمری سے خود کو معمر کہلوا رہے ہیں۔

اگرچہ سائنس آج تک یہ پتہ نہیں کر سکی بندہ بوڑھا کب ہوتا ہے؟ اتنا پتہ ہے کہ بچہ جب بڑا ہوتا ہے تو وہ بھاگ بھاگ کر گھر سے باہر جانا چاہتا ہے اور جب وہ

وقت پر گھر آنے لگے تو سمجھ لیں وہ بوڑھا ہو رہا ہے۔ ہمارے ہاں تو بوڑھوں کے سر پر بال کسیں بال بچے ہوتے ہیں۔ بہرحال بوڑھے اللہ کی رحمت ہوتے ہیں جو دن رات ہم پر برستے ہیں۔ سید ضمیر جعفری صاحب نے لکھا ہے کہ بڑھاپے میں بندہ برا سوچ تو سکتا ہے مگر برا کر نہیں سکتا۔ شاید اسی لیے ولی خان صاحب بوڑھوں کو سیاست میں بے مصرف سمجھتے ہیں۔ ہمیں تو بوڑھے' نوجوانوں سے زیادہ پیارے ہیں خدا کو بھی جوانوں سے زیادہ بوڑھے پیارے ہوتے ہیں پھر نوجوان سیاست دان اقتدار میں آئیگا تو اپنا مستقبل تابناک بنانے کے لیے بد عنوانیاں کرے گا اور بوڑھا تو اپنا مستقبل تابناک بنانے کے لیے زیادہ سے زیادہ توبہ استغفار ہی کرے گا۔ ہمارے ہاں تو انتخابی حلقوں میں بھی بوڑھے امیدواروں کو لوگ زیادہ کامیاب کراتے ہیں ہم نے لوگوں سے اس کی وجہ پوچھی تو بولے ضمنی انتخاب کا موقع ملتا ہے۔

1979ء میں سابق امریکی صدر رونالڈ ریگن نے لکھا کہ میں نے ہمیشہ کہا سیاست دنیا کا دوسرا قدیم ترین پیشہ ہے اور سیاست میں آکے مجھے پتہ چلا کہ یہ پہلے قدیم ترین پیشے سے بڑی مماثلت رکھتا ہے ہماری تو پہلے قدیم ترین پیشے کے بارے میں معلومات بھی چند منٹوں اور منٹو تک محدود ہیں لیکن اتنا علم ہے کہ کم عمری کی اس پیشے سے زیادہ قدر کہیں اور نہیں' شاید اسی لیے خان صاحب دوسرے قدیم ترین پیشے میں بابوں پر پابندی لگانا چاہتے ہیں۔ دروغ بر گردن راوی جو بہتا نہیں کہتا ہے' خان صاحب نے کہا 60 سال سے زیادہ عمر کے سیاست دان بڑی جذباتی اور بے ربط گفتگو کرتے ہیں اگرچہ قائل نہیں ہیں تو مجھ سے بحث کر لیں' صاحب ڈاکٹروں کی رائے کے مطابق بھی ساٹھ سال کے بعد بندے کا ذہن اتنا نہیں چلتا۔ زیادہ کا جوانی میں ہی چل جاتا ہے۔ سو اس عمر میں بندہ ایسی باتیں بھی کہنے لگتا ہے جس کی ہم توقع بھی نہیں کر رہے ہوتے۔ ثبوت کے طور پر آپ یہ پابندی والا بیان پڑھ لیں۔

- آ۔داب

لیجئے صاحب! تحریک اصلاح معاشرہ نے ملک سے رشوت اور سفارش ختم کرنے کے لیے جن اقدامات کا اعلان کیا ہے' ان میں مشاعرے کرانا بھی شامل ہے یوں ہمیں یہ تحریک اصلاح مشاعرہ لگنے لگی ہے مگر ہمارے شاعر دوست آخر مراد آبادی بڑے خوش ہیں اگرچہ اردو شاعری پہ ہمارا بڑا احسان ہے اور اس بنا پر ہمیں اردو شاعری میں ہمیشہ یاد رکھا جانا چاہیے کہ ہم نے تمام مواقع ملنے کے باوجود شاعری نہیں کی البتہ ہیں سال کی عمر میں ہم نے مشاعروں میں آنا جانا بلکہ جانا شروع کر دیا تھا ہمارے خیال میں اس سے کم عمر لوگوں کو مشاعروں میں نہیں جانا چاہیے البتہ بحیثیت شاعر جانا ہو تب کوئی مضائقہ نہیں مشاعرہ وہ جگہ ہوتی ہے جہاں ہر شاعر سمجھتا ہے کہ دوسرا اس کا شعر سن کر محظوظ ہو رہا ہے حالانکہ وہ اپنی باری قریب آنے کی وجہ سے خوش ہو رہا ہوتا ہے' البتہ کبھی کبھی سننے والے ان کے کلام سے اس قدر متاثر ہوتے ہیں کہ کلام تک نہیں کرتے ایک بار تو جناب آخر مراد آبادی صاحب نے جیل میں منعقدہ مشاعرہ ایسا لوٹا کہ وہاں کے لوگ انہیں اپنے پاس رکھنے پر بضد تھے۔ ان کی آواز میں سوز کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا ہے۔ جی ہاں سننے والوں نے کوٹ کوٹ کر بھرا ہے۔ ایک بار استاد قمر سودائی صاحب نے انہیں کہا کہ صاحب لگتا ہے فلاں بندے نے آپ کا کلام نہیں پڑھا۔ پوچھا: آپ کو یہ کیسے لگا؟ کہا: ایسے کہ وہ آپ کی تعریف کر رہا تھا۔ ویسے مشاعرے کا سن کر جس شاعر کے چہرے پر رونق نہ آئے ان کا چہرہ نہ دیکھیں نبض دیکھیں ہمارے ہاں مشاعروں نے اتنی ترقی کی ہے کہ اب تو یہاں سے شاعر لندن تک بھیجے جاتے ہیں' جس پر ایک خاتون نے وہی کہا جو پہلی بار خلا میں بندر بھیجنے پر ایک صحافی خاتون نے لکھا تھا کہ یہ بندروں سے جان چھڑانے کا بڑا مہنگا طریقہ ہے۔ ویسے بندر کو ڈارون نے انسان کا جدامجد قرار دیا ہے جب اس نے یہ تھیوری پیش کی تو مقامی کالج کے کچھ لڑکوں نے

آکر کہا کہ ہم تو نہیں مانتے کہ ہمارے باپ دادا بندر تھے۔ تو ڈارون نے کہا تم نہیں مانتے تو نہ مانو میرا لڑکا تو مانتا ہے۔ ویسے آخر مراد آبادی کے پاس بندہ گھڑی بیٹھ جائے تو اسے ڈارون کی باتوں پر یقین آنے لگتا ہے۔

شاعر سست رفتاری میں بڑے تیز ہوتے ہیں۔ بیوی کے ساتھ جا رہے ہوں سامنے مشاعرہ ہوتا نظر آ جائے تو اسے یہ کہہ کر وہیں چھوڑ جائیں گے تم پانچ منٹ ٹھہرو میں آدھے گھنٹے میں آیا۔ ہمارے دوست شعیب بن عزیز صاحب کہتے ہیں میں لیچیاں کھاتے اور روایتی شعراء کا کلام پڑھتے ہوئے عینک ضرور لگا لیتا ہوں کہ کیا پتہ کب اول الذکر سے سنڈی اور آخرالذکر سے اچھا شعر نکل آئے۔ مشاعروں میں کئی لطیفے جنم لیتے ہیں جس کی وجہ آخر مراد آبادی صاحب نے یہی بتائی جو انہوں نے اس سوال کے جواب میں بتائی کہ مشرقی پنجاب میں زیادہ لطیفے کیوں پیدا ہوتے ہیں؟ جو یہ تھی کہ محکمہ منصوبہ بندی کی حماقتوں کی وجہ سے۔ ویسے بھارت میں تو مشاعروں نے اتنی ترقی کر لی کہ وہاں تو جس ہال میں شاعرات کا مشاعرہ ہو رہا ہو اس کے دروازے پر موتیے کے ہار اور روپے روپے کے نوٹ بیچنے والے آجاتے ہیں وہ داد ملنے پر آداب بھی یوں کہتی ہیں کہ لگتا جیسے کہہ رہی ہیں۔ آ۔ داب۔

امریکہ نے سائنسی تحقیق کے بعد ثابت کیا ہے کہ موسیقی اور شاعری سن کر بھینسیں زیادہ دودھ دیتی ہیں سو میلہ مویشیاں پر مشاعروں کی وجہ تو سمجھ میں آتی ہے لیکن سفارش اور رشوت کے انسداد کے لیے مشاعروں کا رول ہماری سمجھ میں نہیں آیا۔ البتہ یہ ہو سکتا ہے کہ سفارشیوں اور رشوت خوروں کو سبق سکھانے کے لیے انہیں ایسے مشاعروں میں بطور سامعین مدعو کیا جائے' بہرحال آخر مراد آبادی نے ان محکمہ مشاعروں میں اپنا نام شامل کرانے کے لیے ابھی سے سفارشیں ڈھونڈنا شروع کر دی ہیں۔

○○○

Show-Her •

لندن میں تو آج کل شاہی خاندان کی وجہ سے طلاق لینا اسقدر فیشن بن گیا ہے کہ وہاں تو وہ عورتیں بھی طلاق کے حصول کے لیے کوشاں ہیں جن کی ابھی شادی بھی نہیں ہوئی۔ ہمارے ہاں بھی "شاہی" خاندان اور فلمی اداکاراؤں کی کی شادیوں کا لوگوں کو اسی دن پتہ چلتا ہے جس روز ان کی طلاق ہوتی ہے۔ سو جن کی سال دو سال میں طلاق نہ ہو لوگ ان کے میاں بیوی ہونے پر شک کرنے لگتے ہیں۔ کرکٹر سرفراز نواز صاحب نے اداکارہ رانی کو طلاق دے کر اپنی شادی کنفرم کردی مگر ساتھ ہی کئی اداکاراؤں کی شادیاں مشکوک قرار دے دیں۔ فرمایا ان سب کی شادیاں بس زبانی کلامی ہوتی ہیں گویاان کے منہ بولے شوہر ہوتے ہیں۔

صاحب بندہ ایک بار کسی اداکارہ سے شادی کرلے پھر وہ ایسے کام چھوڑ بھی دے مگر لوگ اسے اس لطیفہ کا سابق شوہر ہی کہیں گے وہ بھی یوں جیسے کہتے ہیں یہ فلاں کا بیٹا ہے فلاں کا باپ ہے۔ سرفراز نواز صاحب ہمارے ایسے فاسٹ باؤلر رہے ہیں جن کا اوور بعد میں ہوتا وہ پہلے اوور ہوجاتے بلکہ ان کی گیند سے بیٹسمین تو کہیں بعد میں جاکر آوٹ ہوتے یہ پہلے ہی آؤٹ ہوجاتے۔ اب بھی وہ 100 ہارس پاور کی موٹر سائیکل پر بیٹھے ہوں تو اس کی ہارس پاور دو سو ہوجاتی ہے۔ فاسٹ باؤلر میں سب سے بڑی خامی یہی ہوتی ہے کہ وہ بڑا فاسٹ ہوتا ہے یوں اس بولڈ بندے کو رانی نے کلین بولڈ کردیا۔ رانی ہماری بڑی نورجہاںدیدہ اداکارہ تھیں ان کی زندگی میں بڑے نشیب و سرفراز آئے۔ وہ بڑی منجھی ہوئی اداکارہ اور بیوی تھیں۔ کہتے ہیں ایک ایسی ہی اداکارہ کا دو نمبر خاوند اسے اس لیے چھوڑ گیا کہ سب اسے دو نمبر خاوند کہتے تاہم ہم نے یہ پتہ چلانے کی کوشش کی کہ آخر سرفراز نواز نے رانی کو طلاق کیوں دی؟ یہی پتہ چلا کہ اس کی واحد وجہ یہ ہے کہ اس نے رانی سے شادی کی تھی۔ اگرچہ کسی اداکارہ سے

شادی وہی کرتا ہے جس کا فی الحال شادی کرنے کا پروگرام نہیں ہوتا۔ شادی کے بعد سرفراز نواز صاحب نے ایک قریبی دوست سے پوچھا کہ اداکارہ سے شادی کرنے کے بعد بندے کو کیا کرنا چاہیے۔ تو دوست نے کہا پھر بندے کو کچھ نہیں کرنا چاہیے۔ بہرحال سرفراز نواز صاحب نے رانی کو طلاق دے کر سمجھا ہے انہوں نے پوری فلم انڈسٹری کو طلاق دی۔ وہ ایسا کیوں سمجھتے ہیں' اس کی وجہ تو ہمیں معلوم نہیں تاہم انہوں نے زیبا پر نازیبا اور شمیم آراء پر الزام لگائے ہیں کہ ان کے تحریری نکاح نہیں ہوئے۔ ویسے علی زیبا ایک دوسرے کا جس قدر احترام کرتے ہیں ہمیں بھی وہ میاں بیوی نہیں لگتے کہ جن میاں بیوی میں سال میں ایک بار بھی لڑائی نہ ہو یقین کر لیں وہ ایک دوسرے کو میاں بیوی سمجھتے ہی نہیں۔ یہ تو سب جانتے ہیں کہ فلمی اداکارائیں اپنی غلطیاں اور خاوند چھپاتی ہیں۔ شوہر کسی کو دکھانا بھی پڑ جائے تو گزشتہ دکھا کر گزارہ کر لیتی ہیں۔ انہیں بھی یوں بلاتی ہیں کہ لگتا ہے شوہر نہیں Show-Her کہہ رہی ہوں ویسے تو ہمارے گاؤں کی عورتیں بھی اتنی شرمیلی ہوتی ہیں کہ کبھی کسی بری اور بے ہودہ چیز کا نام اپنی زبان پر نہیں لاتیں وہ تو خاوند کو بھی نام لے کر نہیں بلاتیں بہرحال جو خاوند آرام کی زندگی گزارنا چاہتے ہیں فلم انڈسٹری ان کی آخری آرام گاہ ہے۔

سرفراز نواز نے اداکاراؤں کی منہ زبانی شادیوں کا ثبوت دیا ہے کہ ان کے ولیمے نہیں ہوتے جس پر ایک فلمی اداکارہ نے کہا اس حساب سے تو ہم ہر ماہ ولیمے ہی کرتی رہیں' فلمیں نہ کریں۔ یاد رہے شادی بیوی کی رخصتی کا دن ہوتا ہے' جبکہ ولیمہ خاوند کا اپنے یاروں دوستوں سے رخصتی کا روز۔ اور اداکارہ سے شادی کرنے کی صورت میں تو رخصتی شادی سے بہت پہلے ہو چکی ہوتی ہے۔ یہ بھی تو ممکن ہے کہ نکاح نامے نہ لکھنے کی وجہ اداکاراؤں کی خاوندگی کی بجائے ناخواندگی ہو کہ انہوں نے شاید ہی کبھی کوئی ڈگری حاصل کی ہو البتہ اکثر نے ڈگری پائی ضرور ہوتی ہے۔

• ناکول نامعقول

کھانوں کے معاملے میں ہمارا شوق اتنا ہی ہے کہ اگر کوئی پوچھے آپ کی پسندیدہ ڈش؟ تو ہم یہی کہیں گے جو صاف ہو' یہ الگ بات ہے کہ ہم نے خالی دماغ اور خالی پیٹ حضرات کے مشوروں پر ہمیشہ عالی دماغ اور عالی پیٹ حضرات کو ہی ترجیح دی۔ ان دنوں سری لنکا میں ایسے ہی لوگوں کی ایک کانفرنس ہوئی جس میں چائے کی اس قدر تعریفیں کی گئیں کہ ہم خدا کا شکر ادا کرتے ہیں کہ ہم چائے پیتے رہے ہیں ورنہ ان کے حساب سے تو ہم اب تک زندہ نہ رہ سکتے۔ سری لنکا کو بھگوان کی آنکھ سے ٹپکا آنسو کہتے ہیں مگر سری لنکا خود کو چائے کا بھگوان سمجھتا ہے۔ یہاں کے آدھے لوگ کہتے ہیں بدھ مت کا ذکر کرو' آدھے کہتے ہیں بدھ کا مت ذکر کرو۔ سنہالی ان کی قومی زبان ہے جو بولی جا رہی ہو تو لگتا ہے کہ چائے دانی سے چائے انڈیلی جا رہی ہے۔ اگرچہ تامل اس زبان کو اپنی سمجھنے میں تامل کرتے ہیں مگر سب چائے اگانے کے لیے روپے کی طرح پانی بہاتے ہیں۔ گزشتہ دنوں ہونے والی کانفرنس میں چائے پر تحقیقی مقالے پڑھے گئے جن کے مطابق دنیا کے تمام مسائل کا حل چائے کی پیالی میں ہے اگرچہ ہمارے دانشور تو پہلے ہی چائے کی پیالی پر یہ مسائل حل کرتے آئے ہیں۔ اس کانفرنس میں ڈاکٹر ڈونالڈ نے اپنا تحقیقی مقالہ پڑھا کہ چائے پینے سے جراثیم مر جاتے ہیں۔ اگر یہ بات ٹھیک بھی ہو تب بھی جراثیموں کو چائے پلانا کوئی آسان کام نہ ہوگا۔ ڈاکٹر مائیکل نے کہا چائے کی پتی چباتے رہنے سے دانت کا درد نہیں رہتا۔ یہ بات بھی ٹھیک ہے دانت رہے گا تو درد رہے گا۔ ڈاکٹر جیون رام صاحب نے تو کہا کہ روزانہ ایک کپ چائے بندے کو ڈاکٹر سے دور رکھنے کے لیے کافی ہے۔ ایک انگریزی محاورہ ہے کہ روزانہ ایک سیب ڈاکٹر کو آپ سے دور رکھتا ہے۔ سو ہماری انگریزی زبان کی ایک ٹیچر جب چھٹی کے لیے اپنے ماں باپ کے ہاں جاتی تو اپنے ڈاکٹر خاوند کے کلینک کی نرس کو سات

سیب دے دے جایا کرتی' بہرحال ڈاکٹر جیون رام کی اس تحقیق کے بعد سے ان کی بیوی نے چائے پینا شروع کر دی ہے۔ ہمیں اتنا تو پتہ تھا کہ ہر مشروب میں ایک آدھ فائدہ تو ہوتا ہی ہے جیسے ام الخبائث پی رکھی ہو تو آپ کو پارکنگ کے لیے جگہ کا مسئلہ نہیں رہتا لیکن کانفرنس کے ماہرین نے ہزاروں کے مجمع میں اعلان کیا کہ آج تک کوئی شخص چائے پینے سے نہیں مرا اگر کوئی مرا ہے تو وہ ہاتھ کھڑا کرے۔ انہوں نے چائے نوشوں کو صحت کی گارنٹی دی ایسے ہی گوجرانوالہ کے ایک پہلوان نے جو شیشے کے گلاس بیچتے ہیں گاہک سے کہا میرے گلاسوں کی قیمت دوسروں سے اس لیے زیادہ ہے کہ میں ساتھ گارنٹی بھی دیتا ہوں اور اس وقت تک کی گارنٹی دیتا ہوں جب تک یہ ٹوٹ نہ جائیں۔ ڈاکٹر صاحبان نے بتایا کہ سردیوں میں گرم چائے آپ کو گرم رکھتی ہے حالانکہ ہم نے تو سردیوں میں ٹھنڈی چائے پر لوگوں کو زیادہ گرم ہوتے دیکھا ہے البتہ گرمیوں میں گرم چائے ہی بندے کو ٹھنڈا کرتی ہے۔ ان کے بقول اگر آپ اچھا مشروب پینا چاہتے ہیں تو چائے پئیں اگر اچھا مشروب نہیں چاہتے تب بھی چائے پئیں اگر آپ وزن کم کرنا چاہتے ہیں تو آپ چائے کے سپ' آرام آرام سے لیں یوں کہ ایک سپ کا دوسرے سے کم از کم ایک سال کا وقفہ ہو۔ بہرحال ہمیں تو لگتا ہے کہ اس کانفرنس کا مقصد یہی ثابت کرنا تھا کہ چائے مشروب نہیں دوا ہے۔ ہم نے تو جب بھی کسی بچے کو چائے پیتے دیکھا ہمیں اس کے چہرے سے یہی لگا۔ سو ہم پہلے ہی اسے مشروبات کی بجائے ادویات میں شامل کرتے ہیں۔ صاحب مشروبوں میں تو ہمیں مشروب مشرق یعنی لسی پسند ہے وہ بھی ایسی کہ آپ بیک وقت اسے کھا بھی سکیں اور پی بھی سکیں۔ کچھ لوگوں سے چائے کا متضاد پوچھو تو لسی بتاتے ہیں جو ایسے ہی ہے جیسے ہمارے وفاقی وزیر چند دنوں کے لیے لندن گئے تو سوچا انگریزی بول چال کی کلاسز ہی پڑھ لی جائیں' پہلے دن ٹیوٹر نے پوچھا مجھے ان لفظوں کے متضاد بتاؤ۔

"UP?"

کہا "ڈاؤن"

"Come?"
"گو"

"Ugly?"
فرمایا "پچھلی"

لسی سے معقول ماکول کیا ہو گا ہم سے کوئی پوچھے سونا کن ملکوں میں زیادہ پایا جاتا ہے تو جواب ہو گا جہاں راتیں لمبی ہوتی ہیں۔ انکل سرگم کے بقول ہمارے ہاں سونا سب سے سستا ہے۔ آپ ایک گلاس لسی پی کر سو سکتے ہیں یوں ہمارے ہاں سونا کانوں میں نہیں پایا جاتا دکانوں میں پایا جاتا ہے۔ ہم چائے کے مقابلے میں لسی کی افادیت اجاگر کرنے کے لیے ایک ایسی ہی کانفرنس کرانا چاہ رہے ہیں جس میں تین اہم باتوں پہ زور ہو گا ایک تو یہ کہ لسی پینے سے آدمی کی صحت بہتر ہو جاتی ہے۔ دکان پہ کھڑے ہو کر لسی کا گلاس پیتے پیتے اتنی طاقت آجاتی ہے کہ لسی کے پیسے دینے کو دل نہیں چاہتا۔ دوسرا یہ کہ اسے پینے سے آدمی کا دماغ تیز ہو جاتا ہے بندہ چست ہو جاتا ہے اور تیسری بات اس وقت یاد نہیں آرہی کیونکہ میں نے لسی پی ہے اور مجھے نیند آرہی ہے۔

○○○

• "عالمی برادر"

کہتے ہیں ایک زمانہ آئے گا جب دنیا میں صرف پانچ بادشاہ رہ جائیں گے۔ چار تاش کے اور ایک برطانیہ کا۔ بادشاہوں کا تو پکا پتہ نہیں البتہ اتنا علم ہے کہ آج کل دنیا میں پانچ یکے ہیں۔ چڑیا کا یکہ' پان کا یکہ' حکم کا یکہ' اینٹ کا یکہ اور امریکہ۔ لوگ اسے دنیا کا بڑا برادر بھی کہتے ہیں۔ حالانکہ وہ پورا برادر بلکہ برادران یوسف ہے۔ مرد ہمیشہ دَن اور امریکی عورتیں وزن کے بارے میں فکر مند رہتی ہیں۔ سو مرد اضافے اور عورتیں کمی کی باتیں کرتی ہیں۔ یوں یہ پتہ نہیں چلتا کہ دونوں میں سے زیادہ بور کون ہے؟ لیکن ڈرامہ سیریل Roots کے بعد سے امریکیوں کو اپنے "آباؤ اجداد" کے بارے میں ریسرچ کرنے کا اتنا شوق چڑھا ہے کہ ایسے ایک محقق نے اپنی گرل فرینڈ کو کہا میں اپنی Roots تلاش کرنے کے بعد شادی کروں گا۔ ریسرچ مکمل ہوئی تو لڑکی نے شادی کے لیے کہا۔ موصوف بولے میرے باپ دادا نے جو کام نہیں کیا وہ میں کیوں کروں؟ مگر کبھی کبھی تو امریکی بھی ایسی ریسرچ کرجاتے ہیں جیسے جب نواب اچھن مرزا جو لکھنؤ کے بڑے رئیس تھے ان کے ہاں چوری ہوئی تو ان کے نوکر نے کہا سرکار میں نے تحقیق کرلی کہ یہ کس کا کام ہے؟ پوچھا کس کا کام ہے؟ کہا "یہ کسی چور کا کام ہے۔" یہی کچھ ڈاکٹر برنن نے کہا انہوں نے کئی برس کی تحقیق کے بعد یہ بتایا ہے کہ امریکہ کے پہلے صدر جارج واشنگٹن کے منہ میں اصلی دانت نہ تھے بلکہ انہوں نے ہاتھی کے دانتوں کی بتیسی بنوا کر لگوا رکھی تھی۔ ہاتھی وہ جانور ہے جس کے آگے پیچھے دونوں طرف دم ہوتی ہے۔ یہ دنیا کا وہ جانور ہے جس کے دانت کھانے کے اور دکھانے کے اور ہوتے ہیں۔ ڈاکٹر برنن نے یہ جاننے کے لیے کئی برس ریسرچ کی۔ حالانکہ ہمیں تو 1965ء اور 1971ء میں ہی پتہ چل گیا تھا کہ امریکی صدروں کے منہ میں ہاتھی دانت ہوتے ہیں۔ جس کا یہ مطلب نہیں کہ جس کے منہ میں ہاتھی دانت

ہوں وہ ضرور امریکی صدر ہی ہو۔ وہ ہاتھی بھی ہو سکتا ہے۔ ویسے امریکی سیاست میں "ہاتھی" کا ہمیشہ بڑا ہاتھ ہوتا ہے۔ لیکن جتنے سفید ہاتھی ہمارے ہاں پائے جاتے ہیں امریکہ میں کہاں ہوں گے مگر ہمیں تو مشرق کی چیزیں اچھی ہی نہیں لگتیں۔ ویسے یہ اچھی ہوتی بھی نہیں۔ امریکی سورج ہے نظر تو آتا ہے مگر یہ پتہ نہیں چلتا طلوع ہو رہا ہے یا غروب۔ ہمارے ہاں سورج مشرق سے نکلتا ہے اسی لیے ہمیں تنگ کرتا ہے۔ صبح سات آٹھ بجے جب بھرپور نیند کا وقت ہوتا ہے نکل آتا ہے۔ اکثر کالم نگاروں کے بارے میں لوگوں کو شکایت ہے کہ وہ چڑھتے سورج کو سلام کرتے ہیں لیکن ہم سے نہیں کیونکہ ہم کبھی اس وقت اٹھے ہی نہیں جب سورج چڑھتا ہے۔ بہرحال ہو سکتا ہے ہمارے سفید ہاتھیوں کی اس لیے قدر نہ ہو کہ ان کے منہ میں ہاتھی کے دانت نہیں بلکہ دودھ کے دانت ہیں۔ دانتے کے بعد جارج واشنگٹن کے نام کے ساتھ دانت آیا ہے۔ امریکیوں کے "فادر آف دی نیشن" ہیں اور نئی نسل ان کا نام سنتے ہی پکار اٹھتی ہے باپ رے باپ۔ کھاتے پیتے گھرانے سے تھے۔ بعد میں تو صرف پیتے گھرانے سے رہ گئے۔

سو ڈاکٹر برٹن کے مطابق بدپرہیزی سے دانت میں درد ہونے لگا۔ ویسے دانت کا درد اسے ہی نہیں ہوتا جس کے دانت نہ ہوں۔ سو انہوں نے سارے دانت نکلوا کر لکڑی کی بتیسی لگوالی۔ انہیں بات بات پر دانت نکالنے کی عادت تھی۔ پھر سگار پیتے وقت بھی آگ بجھانے کا سامان پاس رکھنا پڑتا کہ کہیں دانتوں کو آگ نہ لگ جائے' دیمک کا خطرہ الگ۔ سونے کے دانت اس لیے نہ لگوائے کہ چوری نہ ہو جائیں۔ کیونکہ امریکہ میں ایسی چوریاں ہوتی ہیں کہ چور ایک سٹور لوٹ رہے تھے کہ ان کا ساتھی بھاگا بھاگا آیا اور بتایا کہ ہم نے بھاگنے کے لیے باہر جو کار کھڑی کی تھی وہ چوری ہو گئی ہے۔ سو ڈر تھا کہ کہیں رات کو منہ کھلا نہ رہ جائے اور کوئی چور دانتوں کی صفائی نہ کر دے کیونکہ امریکیوں کو منہ بند رکھنا کہاں آتا ہے؟ ویسے بھی فی زمانہ منہ بند رکھنے کے جتنے طریقے ہیں پان کھانا ان میں سب سے بہتر ہے۔ اسی لیے مارشل لاء کے دنوں

میں ہمارے ہاں پان زیادہ بکتے ہیں۔ سو جارج واشنگٹن کو ہاتھی دانت تراش کر بتیسی بنا کروی گئی۔ ویسے ہمیں اس ریسرچ سے یہ ضرور پتہ چلا کہ جارج واشنگٹن نے کسی بھی معرکے میں سر کیوں نہ جھکایا؟ بتیسی گرنے کا ڈر ہوتا ہوگا۔ سنا ہے انہوں نے بتیسی سے ایک دو دانت نکلوا دیئے تھے تاکہ دانت اصلی لگیں یوں بتیسی کی بتیسی ہلکہ ایسی تیسی کر دی۔ ہوسکتا ہے وہ امریکی صدر کے اصلی دانت ہی ہوں کیونکہ ان کے دانت بھی کھانے کے اور دکھانے کے اور ہوتے ہیں اور اس خوبی کی وجہ سے ان پر ہاتھی دانت کا شک کیا گیا ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کوئی اور ڈاکٹر برٹن یہ ریسرچ پیش کرے کہ جو دانت ملے ہیں وہ تو جارج واشنگٹن کے ہیں لیکن وہ جس منہ سے ملے ہیں وہ ان کا نہیں ہے۔

○○○

• راگ ودگت

ہم راگوں کی اس قدر عزت کرتے ہیں کہ قسم لے لیں جو کبھی کسی راگ کو تو کیا کسی راگنی کو بھی کبھی چھیڑا ہو۔ یہ تو استاد کالے خان ہی ہیں جو انہیں چھیڑتے رہتے ہیں آج کل وہ راگ ودگت گا رہے ہیں' ان کے بقول یہ راگ گانے سے دنیا میں خانہ جنگی ختم ہو جائے گی۔ ہو سکتا ہے یہاں خانہ جنگی سے مراد گھریلو لڑائی ہو کیونکہ ایک مفکر کے بقول تو شادی کرنا خانہ جنگی کا آغاز کرنا ہے۔ اگرچہ استاد کی بیگم بھی بڑی استاد ہیں موسیقی سے تو انہیں بس اتنا لگاؤ ہے کہ ایک بار بتا رہی تھی میں نے ہوائی میں ریاض کرنا چاہا گھر والے نہ مانے تو میں نے استاد کالے خان کو کر لیا لیکن پھر بھی وہ گھر میں اتنا راگ ودگت چھیڑتیں' لگتا خانہ جنگی شروع ہو گئی۔ اس جنگ میں کوئی نہ ہارتا بیگم اول اور استاد دوم آتے۔ استاد بیوی سے اپنے تعلقات کشیدہ رہنے کی وجہ یہ بتاتے کہ میری بیوی کو کشیدہ کاری کا بہت شوق ہے۔ آج کل تو وہ اس اصول کو اپنی کامیاب ازدواجی زندگی کا راز بتاتے ہیں کہ صبح سے دوپہر تک بیگم وہ کرتی ہے جو وہ چاہتی ہے اور دوپہر سے صبح تک میں وہ کرتا ہوں جو وہ چاہتی ہے۔ سو ممکن ہے وہ ذاتی مفاد سے بالاتر ہو کر غیر ذاتی خانہ جنگی ختم کرنا چاہتے ہیں۔ یہ حقیقت ہے دنیا کی بڑی بڑی جنگیں کسی میدان میں نہیں بلکہ دالان میں لڑی گئیں اور یہ سب لاز کی خلاف ورزی کرنے کی وجہ سے ہوا۔ آپ پوچھیں گے گھر میں کونسے لاز لاگو ہوتے ہیں تو جناب یہ مدر ان لاء' سسٹر ان لاء اور بہت سے ان لاز ہیں ہمیں تو پچھلے دنوں شہزادی این' نیلسن منڈیلا اور سارہ فرگوسن کی طلاقیں خانہ جنگی ختم کرانے کی مہم کا ہی حصہ لگتی ہیں جنگ کوئی بھی ہو اس کے شروع میں "بجن" آتا ہے جو سب الٹ پلٹ دیتا ہے ہمارا سارا بچپن جنگوں کے سننہ یاد کرتے گزرا۔ نتیجہ ہم سے ہر جنگ کی

تفصیل یوں پوچھتا جیسے چشم دید گواہوں کا بیان ریکارڈ کر رہا ہو۔ اگر ہم ذرا سے بھول جاتے تو یوں غصے میں آ جاتا جیسے ہماری بھول سے جنگ ہارنے کا خدشہ ہو۔ جنگیں رٹتے رٹتے یہ حال ہو گیا کہ کوئی پوچھتا الطاف حسین حالی کہاں پیدا ہوا؟ تو ہم کہتے پانی پت کے میدان میں' جنگ میں ہمیں صرف یہی خوبی نظر آتی ہے کہ جنگ میں سب جائز ہوتا ہے یوں بندہ ناجائز کاموں سے بچ جاتا ہے۔ پہلے زمانے میں جو بغیر ہتھیار کے لڑتا وہ بے وقوف کہلاتا آج کل جو بغیر ہتھیار کے لڑتا ہے وہ جرنیل ہوتا ہے پھر جنگ وہ کام ہے جس کے لیے کسی صلاحیت کی ضرورت نہیں' جنگ عظیم دوم میں ایک جرمن فوجی افسر جو بھرتی کے لیے لائے امیدواروں کی آنکھوں کا معائنہ کرتا یہ لکھ کر فٹ قرار دیتا کہ "آنکھیں ہیں" پھر جنگ میں بندہ کسی کو معاف نہیں کرتا۔ 1836ء میں سکھوں نے قبائلی علاقے میں ایک قلعہ بنایا جو آج کل شب قدر فورٹ کہلاتا ہے۔ دو سال بعد درانی قبیلے نے اس پر قبضہ کر لیا۔ رنجیت سنگھ نے جب اسے دوبارہ فتح کیا تو ایک انکوائری کمیٹی کے ذمے یہ لگایا کہ وہ پتہ کرے کہ درانی قبیلے نے کیسے اس پر قبضہ کیا؟ اس انکوائری کمیٹی نے تمام سکھ بری کر دیئے اور یہ فیصلہ دیا کہ یہ سارا قصور قلعے کے گیٹ کا ہے جو دشمن کے ساتھ مل کر خودبخود کھل گیا۔ سزا کے طور پر اسے زنجیروں سے جکڑ کر عمر قید کی سزا سنائی گئی جو یہ گیٹ ابھی تک اس قلعے میں الٹا لٹکا بھگت رہا ہے۔ ایک زمانہ تھا باہر سے حملہ آور آتے اور جنگ ہوتی پھر ہم اتنے خود کفیل ہو گئے کہ کسی غیر کی ضرورت نہ رہی۔ مسلمانوں میں خود اتنے فرقے ہیں کہ لڑنے کے لیے ہم کسی غیر مسلم کے محتاج نہیں رہے' یوں جنگ میدان سے دالان تک آ گئی۔ صومالیہ کے ایک شاعر کی نظم ہے:

میں اور صومالیہ دنیا کے خلاف ہیں
میں اور میرا قبیلہ صومالیہ کے خلاف ہے
میں اور میرا خاندان قبیلے کے خلاف ہے

میں اور میرا بھائی خاندان کے خلاف ہے
اور میں اپنے بھائی کے خلاف ہوں

استاد کالے خان کے نزدیک یہ سب خانہ جنگیاں راگوں کو بے وقت گانے کی وجہ سے ہوتی ہیں۔ ہمارے خیال میں تو اگر وہ کہتے کہ یہ راگوں کو بے وقت سننے سے ہوتی ہیں تو زیادہ مناسب تھا۔ تاہم استاد خانہ جنگی کرنے والوں کی درگت سے یعنی راگ درگت سے اصلاح چاہتے ہیں۔ ہم نے کہا اگر کسی نے اس راگ کا توڑ بھی تیار کرلیا اور خانہ جنگی بند نہ ہو سکی تو۔ ۔ ۔ ۔ کہا جو شخص ایسا کرے گا میں اس کا منہ کالا کرکے گدھے پر بٹھا کر شہر کا چکر لگاؤں گا۔ جس پر ہم وہی کہہ سکتے ہیں جو ایک مجرم نے کوتوال شیدی فولاد خان کو کہا تھا۔ فولاد خان شاہی دور میں دہلی کے کوتوال تھے۔ رنگ کے کالے طبیعت کے کالے۔ انہوں نے ایک مجرم پکڑا اور کہا اس کا منہ کالا کرکے گدھے پر بٹھا کر شہر کا چکر لگواؤ تو مجرم بولا صاحب اور جو سزا چاہے دے دیں یہ سزا نہ دیں۔ ۔ ۔ ۔ کوتوال نے پوچھا کیوں؟ کہا لوگ سمجھیں گے کوتوال صاحب گدھے پر سوار ہو کر سیر کررہے ہیں۔

○○○

See Port •

خبر ہے کہ ہدایت کار ظہور حسین گیلانی نے کئی دن مسلسل شوٹنگ کر کے اپنا ہی ریکارڈ توڑ دیا۔ یہ کوئی معمولی بات نہیں حالانکہ ہمارے ایک صحت مند وفاقی وزیر کے بچے کے سکول کا ہیڈ ماسٹر وزیر صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور کہا صاحب میں یہ خبر دینے آیا ہوں کہ آپ کے بیٹے نے سکول کا سابقہ ریکارڈ توڑ دیا۔ تو وزیر صاحب نے کہا معمولی بات ہے اگر بچے نے غلطی سے توڑ دیا ہے تو کیا ہو گیا ہم نیا لے دیں گے۔

سو ممکن ہے ظہور حسین گیلانی صاحب کے فلساز نے ریکارڈ ٹوٹنے کی اطلاع ملتے ہی کہا ہو جب تمہیں پتہ تھا کہ کئی دن مسلسل شوٹنگ کرنے سے یہ ٹوٹ جائے گا تو مسلسل شوٹنگ کیوں کی؟ ممکن ہے اس نے ریکارڈ کیپر کو بلا کر ڈانٹا ہو کہ یہ سب تمہاری نا اہلی کی وجہ سے ہوا ورنہ اور بھی لوگ فلمیں بناتے ہیں کسی اور سے کیوں نہ ٹوٹا؟ آئندہ دھیان سے ریکارڈ لگانا۔ لیکن ہمیں تو خوشی ہوئی کہ ہمارے ایک ہدایت کار نے 17 دنوں میں فلم مکمل کر کے فلمی دنیا میں ہمارا نام روشن کر دیا۔

صاحب فلم انڈسٹری ان لوگوں کے رہنے کے لیے بڑی اچھی جگہ ہے جو رہنا نہیں چاہتے۔ Sea Port کا اردو ترجمہ بندرگاہ ہے اور بندر نقل کرنے میں سب سے زیادہ شہرت رکھتا ہے سو فلم انڈسٹری تو ہمیں بندرگاہ ہی لگتی ہے جسے آپ See port کہہ سکتے ہیں۔ فلم کو موری بھی کہتے ہیں۔ موو کا مطلب حرکت ہے اور ہدایت کار، فلساز اور اداکاروں کی حرکتوں کو موری کہتے ہیں۔ فلموں میں تیز رفتاری ہمیں خود اس قدر پسند ہے کہ ہم اپنی اکثر فلمیں فاسٹ فارورڈ کر کے دیکھتے ہیں یوں بھی ہمیں جلدی اس قدر پسند ہے کہ ہم تو دیر کرنے میں بھی ہمیشہ جلدی کرتے ہیں۔ ہالی وڈ میں تو اس قدر تیزی سے فلمیں بنتی ہیں کہ اداکاروں کے پاس اتنا وقت بھی نہیں ہوتا کہ وہ کپڑے پہن لیں۔ وہاں تیز رفتاری کا یہ عالم ہے کہ ایک ڈائریکٹر نے فلم کی کہانی ختم ہونے سے پہلے

پہلے فلم کی شوٹنگ مکمل کرلی۔ شکر ہے ظہور گیلانی صاحب نے ہماری فلم انڈسٹری کو بھی اس تیز رفتاری کا مقابلہ کرنے کے لیے تیار کیا۔ ظہور حسین صاحب کے سکول آف تھاٹ کا تو ہمیں پتہ نہیں کیونکہ ایک بار کسی نے ہدایت کار یونس ملک سے پوچھا آپ کا سکول آف تھاٹ' انھوں نے کہا گورنمنٹ پرائمری سکول گوالمنڈی۔ بہرحال اتنا پتہ ہے ظہور حسین گیلانی سے پوچھو دن میں کتنے گھنٹے ہوتے ہیں تو کہیں گے چوبیس پان' ان سے تو یہ پوچھو کہ آپ کی فلم کی تکمیل پر کتنی مدت لگے گی تو کہیں گے ڈیڑھ ہزار پان لگ چکے ہیں ڈیڑھ دو سو اور لگیں گے لیکن کام اتنا مگن ہو کر کرتے ہیں کہ پان منہ میں ڈال کر کھانا بھول جاتے ہیں۔ فلم رائٹر سید نور نے بھی فلم میں تیزی کو رواج دیا تھا۔ ایک فلمساز نے ان سے سکرپٹ لینا تھا کہا شام کو لے لیں۔ فلمساز نے کہا دو فلمیں اکٹھی چاہئیں صبح تک' کہا خرابی کے باعث یہ ممکن نہیں۔ پوچھا کیا آپ کی صحت خراب ہے! جواب ملا نہیں میں تو ٹھیک ہوں وی سی آر میں خرابی ہے۔ پہلے شاید فلمیں اس لیے دیر سے بنتیں کہ ایسی ہیروئنیں تھیں جن کی نقل و حمل میں دیر لگتی' ہو سکتا ہے آپ کہیں کہ ان کی نقل و "حمل" دیر کا باعث تھی تو ہدایت کار شادی شدہ ہیروئنیں کاسٹ ہی کیوں کرتے تھے؟ ہمارے ہاں فلم شروع تو فلمساز کرتا ہے' ہدایت کار اسے آگے بڑھاتا ہے اور سلطان راہی اس کا "اینڈ" کرتا ہے کیونکہ فلم کے جس کردار کا رائٹر اور ڈائریکٹر سے خاتمہ نہ ہو سکے اس کا سلطان راہی ہی کرتا ہے۔ اتنے اداکاروں کو فلموں میں ہدایت کار شوٹ نہیں کرتے جتنے سلطان راہی صاحب "شوٹ" کرویتے ہیں۔ اگرچہ اب تو سلطان راہی صاحب کی سکرپٹ میں اتنی لائنیں نہیں ہوتیں جتنی ان کے چہرے پہ ہیں۔

آرٹ فلم کا تو ہمارے ہاں رواج ہی نہیں۔ احمد بشیر صاحب نے "نیلا پربت" بنائی کسی نے پوچھا آپ کی فلم پر کتنا رش پڑا۔ کہا پہلے دن تو کوئی نہ آیا۔ مگر دوسرے دن رش ذرا کم ہو گیا۔ "نیلا پربت" اتنے اونچے معیار کی فلم تھی کہ اس کی اونچائی سے

گر کر فلمساز زخمی ہو گیا بہرحال اس فلم میں اور کوئی خوبی ہو نہ ہو یہ ضرور تھی کہ دیکھنے سے ختم ہو جاتی۔ ایسے ہی ظہور حسین کی فلم میں یہ خوبی تو ہے کہ اس پر صرف 17 دن لگے زیادہ وقت نہیں لگا۔ 1959ء میں ابن انشاء پہلی بار ڈھاکہ گئے تو کمیونسٹ پارٹی کے دفتر میں ٹھہرائے گئے۔ ابھی تھوڑی دیر گزری تھی کہ ایک صاحب آئے اور کہا آپ حیران ہوں گے یہ ساری عمارت صرف دو ماہ میں بنی۔ ابن انشاء نے کہا بھئی کمال ہے! جونہی وہ گئے تو ایک صاحب آ گئے اور فرمانے لگے آپ یقین کر سکتے ہیں یہ عمارت دو ماہ میں بنی۔ تو ابن انشاء نے تنگ آ کر کہا واقعی یقین نہیں کر سکتے کہ اس پر دو ماہ لگ سکتے ہیں۔ کیا ان کام چور انجینئروں اور مزدوروں کو کوئی سزا ملی۔ لیکن ہمیں ظہور حسین گیلانی صاحب کی صلاحیتوں پر اس قدر اعتماد ہے کہ ہمیں لگتا ہے انہیں اسٹوڈیو فارغ نہیں ملے ہو سکتا ہے اداکار دوسرے سیٹوں پر مصروف رہے ہوں پھر ہماری فلم انڈسٹری میں اتنی تیکنیکی سہولتیں بھی میسر نہیں ورنہ وہ اس فلم پر اس سے بھی کم دن لگاتے پھر انہوں نے صرف "دن" ہی تو لگائے ہیں۔ یوں بھی جے کے جسٹرٹن نے کہا ہے جلدی کرنے میں سب سے بڑا نقصان یہ ہوتا ہے کہ اس میں وقت بہت لگتا ہے اگرچہ لوگ ہماری بات کا جلدی جلدی صرف اسی وقت اعتبار کرتے ہیں جب ہم اپنی بد تعریفی کر رہے ہوں تاہم اس فلم میں ہمیں یہ خوبیاں نظر آئیں۔

1- - - - - - - - - -
2- - - - - - - - - -
3- - - - - - - - - -
4- - - - - - - - - -

مزید اس وقت ذہن میں نہیں آ رہیں بقول کومین ہم یہی کہہ سکتے ہیں یہ ایک طویل مگر چھوٹی فلم ہے۔

○○○

- **جوتا فیم**

فیم وہ افیم ہے جس کا نشہ جسے اچھا نہیں لگتا' یقین کرلیں وہ نشے میں ہے۔ اگر کوئی کہے کہ یہ شہرت کے لیے کام نہیں کرتا تو یقین کرلیں اس کا اشارہ شہرت بخاری صاحب کی طرف ہوگا ورنہ شہرت کی خاطر لوگ شادی تک کرنے پر اتر آتے ہیں۔ ہمارے ایک دوست کو مہمان خصوصی بننے کا شوق تھا یہی ختم کرنے والی شاعری شروع کی کہا برا بھلا شعر کہہ ہی لیتا ہوں ہم نے کہا واقعی جب شعر کہتے ہو یہی لگتا ہے برا بھلا کہہ رہے ہو۔ اس قدر نرم دل تھا کہ کسی کو تکلیف میں نہ دیکھ سکتا اس لیے مشاعروں میں آنکھیں بند کرکے شعر سناتا۔ گلوکاری شروع کی تو ہم نے اسے محلے والوں کے جھرمٹ میں پایا۔ پوچھا محلے میں اتنے پاپولر کیسے ہوئے۔ کہا ایک فقرے سے۔ پوچھا کونسے فقرے سے؟ بولے میں محلے والوں کو کہا' جب میں اکیلا ہوتا ہوں تو گانے سے دل بہلاتا ہوں۔ تب سے محلے والے مجھے اکیلا نہیں چھوڑتے۔ لیکن آخر کار انہیں ایک تقریب میں قائم مقام مہمان خصوصی بنا ہی لیا گیا وہ تقریب ان کی شادی کی تھی لیکن کچھ لوگ اتنے خوش قسمت ہوتے ہیں کہ سوئے اٹھتے ہیں تو خود کو مشہور پاتے ہیں۔ اگرچہ کہتے ہیں جو شخص سویا ہوا اٹھے اور خود کو مشہور پائے یقین کرلیں وہ سویا ہوا نہیں تھا بہر حال ڈی سی گوجرانوالہ بھی انہی خوش قسمت افراد میں سے ہیں۔ وہ ایک دن مسجد گئے چند منٹ بعد واپس آئے تو جہاں جوتے رکھ کر گئے تھے وہاں جوتے تو نہ ملے شہرت مل گئی۔ یوں وہ ملک میں جوتے کے زور پہ مشہور ہوگئے۔ ہمارے ہاں اگر کوئی کہے کہ میں نے سال سے جوتے نہیں بدلے تو دوسرا یہی سمجھتا ہے کہ یہ ایک سال سے مسجد نہیں گیا۔ پھر مسجدوں میں بندہ دوران نماز جوتے آگے رکھے تو نماز نہیں ہوتی پیچھے رکھے تو جوتے نہیں ہوتے۔ ویسے تو گوجرانوالہ ایسا شہر ہے کہ وہاں کے لوگ

شہرت زور بازو سے ہی حاصل کرتے ہیں ہر آدمی کا یا تو باپ پہلوان ہوتا ہے یا بیٹا۔ ایسے ہی ایک پہلوان نے دوسرے سے کہا کہ " تم میرے والد کو نہیں جانتے؟" تو دوسرا بولا "یہ تو آپ کو جاننا چاہیے" وہ اپنی بات کے اس قدر پکے ہوتے ہیں کہ وہاں کے ایک کونسلر پہلوان کو ایک اڈے سے 1000 روپے ہفتہ ملتا تھا پہلوان جی نے دھمکی دی کی رقم دگنی کرو ورنہ۔ ۔ ۔ ۔اب وہ پہلوان ڈبل یعنی 2000 روپے لیتے ہیں پندرہ دنوں کے۔ وہ کسی ایسی چیز کو غور سے دیکھتے ہی نہیں جسے کھا نہ سکیں۔ صبح صبح سری پائے کی دکان پر سری کو یوں گھور رہے ہوتے ہیں جیسے سری دیوی کو دیکھ رہے ہوں۔ وہ اگر جوتے کو غور سے دیکھیں تو اس کی وجہ بھی یہی ہوگی کہ جوتے کھائے بھی جاسکتے ہیں۔ امریکی صحافی جان گھیسز نے 1962ء میں لکھا تھا کہ ماسکو دنیا کا وہ شہر ہے جہاں اگر مارلن منرو بھی گلی سے گزر جائے اور اس نے کچھ نہ پہنا ہو سوائے جوتوں کے۔ تو لوگ اس کے پاؤں کو ہی گھوریں گے لیکن گوجرانوالہ میں صرف اسے گھور کر دیکھتے ہیں جس کے پاؤں میں جوتا ہو نہ ہو مگر اس کے ہاتھ میں جوتا ہو۔ گوجرانوالہ میں ایک بار ہمارے دوست جوتا خریدنے گئے۔ پہلوان دکاندار نے جو جوتا دکھایا دوست نے کہا یہ جوتا تنگ ہے پہلوان صاحب بولے غلط' جوتا تنگ نہیں اس میں تمہارا پاؤں تنگ ہے۔ بات بڑھی تو پہلوان نے تنگ آکر جوتا گلی میں پھینک دیا جس سے میرے دوست کی ٹانگ ٹوٹ گئی کیونکہ وہ جوتے میں تھا۔

ہمیں اپنی جس پہلی تحریر پر پیسے ملے وہ جوتے پر ہی تھی۔ یہ وہ خط تھا جو ہم نے گھر والوں کو جوتے خریدنے کے لیے پیسے منگوانے کے لیے لکھا۔ جوتے سے انسان کی شخصیت بنتی ہے یقین نہ آئے تو تھانے سے پتہ کرلیں۔ خواتین مشہور ہونے کے لیے ایڑھی چوٹی کا زور لگانے کے لیے زنانہ جوتے پہنتی ہیں؟ جہاں تک ڈی سی اور جوتوں کا تعلق ہے ہمیں اتنا یاد ہے چھٹی جماعت میں ہم ڈی سی اور اے سی کرنٹ کا فرق معلوم کرنے کے لیے تجربہ کررہے تھے بجلی کا ایسا جھٹکا لگا کہ ہم اب تک ربڑ کے جوتے پہنتے

بغیر کسی ڈی سی اور اے سی کو نہیں چھوتے لیکن ہو سکتا ہے ڈی سی صاحب نے وہاں جوتے اس لیے اتارے ہوں کہ جب تک انہیں اتارا نہ جائے کوئی کام نہیں ہوتا لیکن ہم خوش ہیں انہیں جوتے تو نہ ملے لیکن شہرت مل گئی اس کالم سے مطلب وہ نہ لیں جو کے جی بی کے چیف کے جوتے گم ہونے پر اخبار "پراودا" کی اس خبر سے لیا گیا جس میں کہا گیا تھا کہ جس کے پاس جوتے ہوں وہ چیف کو خود ہی پہنچا دے۔ اگلے دن پورا ماسکو ہاتھوں میں جوتے لیے چیف صاحب کو تلاش کر رہا تھا۔

○○○

پینٹ بمقابلہ لاچا

کئی دہائیوں کی دہائی کے بعد ایک صحافی نے یہ راز پا ہی لیا کہ آخر ڈاک لیٹ ہونے کی وجہ کیا ہے؟ ان کے انکشاف کے مطابق اس کی وجہ محکمہ ڈاک نہیں بلکہ شلوار ہے جو محکمے کے سارے وار شل کروتی ہے اور ان نے محکمے کو سست کر دیا ہے سو محکمہ ڈاک کے آفیسرز آج کل ملازموں کے لیے چست پینٹ اور بش کوٹ کا انتظام کر رہے ہیں۔

ہم ڈاکئے کے اس وقت کے معترف ہیں جب وہ کبوتر ہوتا تھا اور اس کی مدح میں میڈم نور جہاں نے یہ گانا گایا تھا "واسطہ ای رب دا توں جاویں وے کبوترا" اردو پر ڈاکیے کا اتنا بڑا احسان ہے کہ ڈاکیا نہ ہوتا تو تمام عاشقوں کا اپنے محبوب اور اردو ادب سے رابطہ کٹ چکا ہوتا لیکن پھر حسینوں کے خطوط پہنچنے میں اتنی دیر لگنے لگی کہ اس مدت میں حسینوں کے خطوط ڈھلنے لگتے۔ ایئر میل سے مراد لوگ وہ ڈاک لینے لگے جو ہوا ہو جاتی ہے ہماری ایک عزیزہ کو بیٹے کی پیدائش پر کسی کی مبارک کا خط اس وقت ملا جب وہ بیٹا خط کرانے حجام کی دکان پر گیا ہوا تھا کوئی کسی سے خط کی جمع پوچھتا تو اگلا خطاؤں بتاتا لیکن ہمیں کیا پتہ تھا کہ سب سستی شلوار قمیص کے باعث ہے یہ تو اچھا ہوا محکمہ ڈاک نے تیزی دکھائی اور ڈاکیوں کو پینٹ کے ساتھ بش کوٹ بھی دینے کا فیصلہ کیا۔ ڈاکیوں کے پاس شور کوٹ اور کوٹ ادو پہلے سے ہی موجود ہیں۔

اگرچہ ہم سے پوچھا جائے کہ لباس کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے تو ہم یہی کہیں گے پہننا چاہیے' ہالی وڈ میں تو ایک تنظیم نے معروف اداکارہ کو ڈریس شو میں 1990ء کا ایوارڈ دیا جس کی وجہ یہ بتائی گئی کہ انہوں نے سارا سال لباس پہنا یہ وہ اداکارہ تھی جس کے بارے میں پہلے سے مشہور تھا کہ وہ ہر پارٹی میں پارٹی کے حساب سے ڈریس اپ ہوتی ہے یعنی میرج پارٹی پر میرج سوٹ' ایوننگ پارٹی میں ایوننگ سوٹ'

ڈنر پارٹی میں ڈنر سوٹ' اسی لیے لوگ اسے ہمیشہ پہن کے پارٹی میں ہی جاتے ہیں۔ البتہ مردوں کا عریاں لباس وہ ہوتا ہے جس کی جیب سب کو صاف نظر آئے سو ڈاکیے ہمارے ہاں سب سے عریاں لباس پہنتے ہیں بلکہ ان کی قمیصوں کو جیبیں نہیں لگی ہوتیں جیبوں کو قمیصیں لگی ہوتی ہیں یہی سوٹ انہیں سوٹ کرتا ہے۔ ہم نے ایک بار سستا سوٹ خریدا تو اس میں کوئی جیب نہ تھی۔ ہم نے دکاندار سے کہا تو اس نے کہا اس سوٹ میں اس لیے جیب نہیں لگائی کہ جس کے پاس جیب میں ڈالنے کے لیے کچھ ہو گا وہ اتنا سستا سوٹ کیوں خریدے گا؟ بہرحال ڈاکیوں کے پاس سال کے 365 دنوں میں ہر دن کے لیے ایک سوٹ ہوتا ہے اور یہی ایک سوٹ وہ 365 دن پہنتے ہیں۔ ویسے قمیص میں تو انہوں نے جیبیں ہی چپتی ہوتی ہیں سو بش کوٹ کی بجائے بارداش کوٹ بھی ہو تو ہمیں اعتراض نہیں مگر ہم پینٹ کے حق میں نہیں' چست پینٹ دیکھ کر تو لگتا ہے پینٹ پہنی نہیں ٹانگوں پر پینٹ کی ہوئی ہے یہ تو جسم کی جلد سے بھی زیادہ ٹائٹ ہوتی ہے۔ آپ پوچھیں گے جسم کی جلد سے ٹائٹ کیسے ہو سکتی ہے؟ تو صاحب جس کی جلد میں آپ بآسانی اکڑوں بیٹھ سکتے ہیں جبکہ چست پتلون میں بیٹھ جائیں تو سوئی دھاگے کے سہارے کے بغیر اٹھ ہی نہیں سکتے۔ ہمارے خیال میں تو لاچا اس سے بدرجہا بہتر ہے۔ ایسا ایئر کنڈیشن لباس کہاں ملے گا؟ پینٹ کی تو کوئی شخصیت ہی نہیں اوپر سے واحد نیچے سے جمع' جب کہ لاچا تو پنجابیوں کی طبیعت کی طرح کھلا ہوتا ہے۔ لاچے کا پینٹ سے کیا جوڑ۔ پھر یہ وہ واحد لباس ہے جس میں کوئی جوڑ نہیں ہوتا' اسے سلوانا بھی نہیں پڑتا یہاں تک کہ پہنا ہو تو اتارنا بھی نہیں پڑتا' پینٹ کا کیا بھروسہ کب تنگ ہو جائے لیکن لاچے سے آپ تنگ ہو جائیں گے مگر یہ کھلا ہی رہے گا۔

پینٹ پہن کر لوگ دفتروں میں سو جاتے ہیں ان کو اٹھانا اسی طرح ممکن ہے کہ ان کو ہلانے کے لیے ایک علیحدہ ملازم رکھا جائے لیکن اس ملازم کو جگانے کے لیے ایک اور بندہ رکھنا پڑے گا سو ان کو بیدار اور چست رکھنے کا واحد طریقہ یہی ہے کہ لاچے

کو باقاعدہ اعلان کیا جائے۔ جس نے لاچا پہنا ہو وہ سب کے سامنے سو ہی نہیں سکتا کیونکہ اسے سونے سے پہلے بھی باندھنا پڑتا ہے اور اٹھنے سے پہلے بھی۔ پھر ایسا کثیر المقاصد کہ سردیوں میں بکل مار لو تو ہیٹر۔ گرمیوں میں گیلا کر کے اوڑھ لو تو ائیر کولر۔ نیچے بچھا لو تو دری' اس میں خط ڈال لو تو لیٹر بکس' پینٹ کا اس سے کیا مقابلہ! پھر پینٹ پھٹی جاتی ہے' لاچا پہنا جاتا ہے۔ ہو سکتا ہے آپ اعتراض کریں کہ پینٹ میں جیب ہوتی ہے اس میں نہیں ہوتی' حالانکہ لاچے کی جیب (ڈب) سے محفوظ تو کوئی لا کر بھی نہیں جب تک لاچا نہ کھل جائے یہ جیب نہیں کھلتی بلکہ لاچا تو پورا ڈاک خانہ ہے جس میں آپ ڈاک اور ڈاکیا دونوں لپیٹ سکتے ہیں۔ یہ لباس لڑائی جھگڑے کم کرنے کے کام بھی آ سکتا ہے کیونکہ لڑائی میں دوسروں کو سنبھالنا آسان اور اسے سنبھالنا مشکل ہو جاتا ہے۔ پھر یہ خوبی دنیا کے اور کس لباس میں ہو گی کہ آپ اس سے جو لباس چاہیں بنالیں یعنی دل چاہے تو اس سے شلوار قمیص حتیٰ کہ پینٹ بنا لیں لیکن کسی لباس کو ادھیڑ کر لاچا نہیں بنایا جا سکتا۔ ہمیں امید ہے کہ محکمہ ڈاک پینٹ پر لاچے کو ترجیح دے گا اور ایسا ہی اعلان کرے گا جو آئرلینڈ کے محکمہ ڈاک نے کیا تھا' جسے ملازموں کی پچھلی وردی پسند نہ آئی وہ اعلان یہ تھا "محکمہ نئے ڈیزائن کی یونیفارم تیار کرے گا۔" یہ یونیفارم پچھلی وردی ہی کو ادھیڑ کر بنائی جا رہی ہے۔ جب تک آپ کی نئے ڈیزائن کی یونیفارم سل رہی ہے آپ پچھلی وردی ہی پہنیں۔

○○○

• ماما ازم

اپنی تو املا شروع ہی سے ایسی ہے کہ ایک اداکارہ نے کہا "میں امریکہ میں ایک عرب خاوند کے ساتھ رہ رہی ہوں" تو ہم نے لکھ دیا امریکہ میں ایک ارب خاوند کے ساتھ رہ رہی ہیں۔ جس پر اتنی ڈانٹ پڑی کہ ارب پتی کو بھی عرب پتی لکھنے لگے مگر پھر اس وقت گڑبڑ ہوئی جب ہمیں یہ خبر لکھنا تھی کہ حکومت نے ہزاروں نوجوان لڑکیوں کی شادی کے لیے خصوصی فنڈ سے دو ارب مختص کر دیئے۔ پچھلے دنوں ہم پر ایسے مسئلے سے دو چار تھے' ہم نے اقوام متحدہ کے جنرل سیکرٹری ڈاکٹر بطروس گالی لکھا تو ہمارے دوست نے کہا یہ دراصل ڈاکٹر بطروس غالی ہیں۔ یہ تو کسی بے وقوف سے بھی پوچھ لو تو بتا دے گا۔ ہم نے کہا پھر آپ بتائیں! بولے اس کا مطلب تم عربی نہیں جانتے۔ ہم نے کہا ہم تو عربی جانتے ہیں مگر آپ ڈاکٹر بطروس کو نہیں جانتے۔ بولے اب تو گالی پنجابی کا لفظ ہے۔ کیونکہ میاں طفیل محمد صاحب نے پنجابی کو گالیوں کی زبان قرار دیا ہے۔ تم اسے غیر پنجابی کے نام کے ساتھ کیسے لگا سکتے ہو؟ اب ہم اسے کیا بتائیں کہ اگر میاں طفیل محمد صاحب نے ذاتی طور پر ایک زبان کو اس کام کے لیے رکھ لیا ہے تو ہم اس بارے میں کیا کہہ سکتے ہیں۔ گالیاں نکالنا اطفال کا کام ہے یہاں اطفال کو آپ طفیل کی جمع نہ سمجھ لیں۔ میاں صاحب سو اس عمر میں ہیں جس میں بندہ گالی بھی دے تو سننے والا سمجھتا ہے دعا دے رہا ہے۔ طبیعت میں اس قدر اصلاح ہے کہ حضرت داتا گنج بخش کی کتاب کا ترجمہ کیا تو ساتھ ساتھ داتا صاحب کی اصلاح بھی کرتے گئے۔ مگر وہ ایسے ڈینٹسٹ کی طرح ہیں جو مریض کا منہ کھلوانے کے لیے اسے گالی سناتا ہے۔ سو انہوں نے پنجابی زبان کو گالیوں کی زبان قرار دے دیا حالانکہ ان کا اپنا حافظہ ایسا ہے کہ دس منٹ پہلے کسی بندے نے انہیں گالی دی ہو تو بھول جائیں گے کہ کس بندے نے نکالی۔ اگر بندہ یاد ہو گا تو یہ بھول جائیں گے کہ اس نے

گالی دی۔ ایک بار کسی دوست کے ہاں آٹھ بجے جانا تھا نو بجے گئے اور معذرت کرنے لگے تو میزبان نے کہا معذرت تو ہمیں کرنا چاہیے کیونکہ ابھی 8 بجنے میں 11 گھنٹے ہیں۔ لہجہ ایسا کہ وہ بول اردو رہے ہوتے ہیں لوگ سن پنجابی رہے ہوتے ہیں۔ "دستر خوان بچھاؤ" کہیں تو سننے والا کہے گا دس ترکھان کہاں سے لاؤں۔ اپنی اردو میں پنجابی الفاظ یوں استعمال کرتے ہیں جیسے سیاست دان عوام کو کیا کرتے ہیں۔

گالی وہ گولی ہے جو ہم منہ سے چلاتے ہیں۔ دنیا میں سب سے پہلا ایٹم بم اس نے گرایا جس نے پہلی بار گالی دی۔ تمام زبانیں اس اسلحے سے لیس ہیں۔ آج تک ہم نے جس کتاب میں سب سے زیادہ گالیاں لکھی پڑھیں وہ ڈکشنری ہے۔ دنیا میں اتنے فحش الفاظ کسی اور کتاب میں نہ ملیں گے جتنے اس میں ہوتے ہیں۔ اب تو آپ کو پتہ چل گیا ہو گا کہ مشتاق احمد یوسفی کی پسندیدہ کتاب ڈکشنری کیوں ہے؟ بہرحال فقیر' محبوب اور انگریزی کی گالی پر جو برا مانے وہ اچھا نہیں ہو سکتا اور پنجابی کی گالی پر جو برا نہ مانے وہ اچھا نہیں ہو سکتا۔ گالی دینا ایک فن ہے۔ غالب کو کسی نے ماں کی گالی دی تو انہوں نے کہا کیسے بد ذوق اور احمق لوگ ہیں' انہیں تو گالی دینے کا سلیقہ نہیں کہ بچے کو ہمیشہ ماں کی گالی دیتے ہیں۔ نوجوان کو بہن اور بیوی کی جب کہ بوڑھے کو بیٹی کی گالی دی جاتی ہے۔ ویسے اگر زبانوں کے حساب سے دیکھا جائے تو انگریزی ہمیں بڑی بدتمیز زبان لگتی ہے۔ جس کا اس سے ہی اندازہ لگائیں کہ یہ شروع ہی "اے" سے ہوتی ہے۔ کسی بزرگ کو اے کہہ کر بلا کر تو دیکھیں خود ہی پتہ چل جائے گا کہ گالی کیا ہوتی ہے مگر انگریزی میاں صاحب کو پہلے ہی غلام دستگیر خان کی طرح ناپسند ہے۔ خان صاحب سے کسی نے پوچھا آپ انگریزی کیوں نہیں بولتے: تین وجوہات ہیں۔ ایک تو میں انگریزی بولوں گا تو انگریز لگوں گا' دوسری یہ کہ میں کس کے ساتھ انگریزی بولوں زیادہ ارکان اسمبلی تو زیادہ پڑھے لکھے نہیں اور تیسری وجہ یہ ہے کہ مجھے انگریزی آتی نہیں۔

جس نے ساری زندگی گالی نہیں دی اس پہ ہمیں ترس آتا ہے۔ ظاہر ہے ایک گونگے

پہ ترس ہی آسکتا ہے۔ دنیا کی جس زبان میں گالی نہیں یہ وہ ہے جس کے بارے میں لاہوریئے صبح صبح سری پائے کی دکان والے سے پوچھتے ہیں۔ "زبان ہے؟"
گالیوں کی سب سے بڑی خوبی یہ ہوتی ہے کہ یہ سکھانا نہیں پڑتیں۔ آپ بچوں کو منع کرتے ہیں مگر وہ بالغ ہونے سے پہلے یہ بلیغ ہوجاتے ہیں بلکہ جب فلمیں نہیں ہوتی تھیں تو بچے گالیاں سن سن کر ہی بالغ ہوتے تھے۔ شاید میاں صاحب نے پنجابی کو اسی لیے گالیوں کی زبان کہا ہو کہ ہم پنجابی اپنے بچوں کو یہ زبان سکھاتے نہیں بلکہ انہیں ٹوکتے ہیں کہ وہ اردو یا انگریزی میں بات کریں لیکن وہ پھر بھی ادھر ادھر سے پنجابی سیکھ لیتے ہیں لیکن اب انہوں نے اسے گالیوں کی زبان کہہ ہی دیا ہے تو ہم یہ سوچ کر ڈر رہے ہیں کہ ہم جو آج تک ان سے پنجابی دعا سلام کرتے رہے کہیں وہ یہ نہ سمجھیں کہ ہم انہیں گالیاں دیتے رہے ہوں۔ شاید وہ اسی لیے پنجابی پر گرم ہوں۔ پیر پگاڑا صاحب نے بھی کہا ہے دنیا میں دو ہی ماموں ہیں اوپر چندا ماموں اور نیچے طفیل ماموں اور وہ میاں صاحب کے خیالات کو ماما ادم کہتے ہیں اور پنجابی میں ماما بھی گالی ہی ہے۔

○○○

EGG SAMINER •

ہم نے ابھی خبر پڑھی ہے کہ کمرۂ امتحان میں انگریزی کے پرچے کی جگہ طلبہ کو اردو کا پرچہ دے دیا گیا جس پر طلبہ نے احتجاج کیا۔ صاحب ہمارے خیال میں تو یہ بڑی خوشی کی بات ہے کہ جو کام حکومت نہ کر سکی وہ محکمہ امتحانات نے کر دیا یعنی انگریزی کی جگہ اردو کو رائج کردیا۔ ہمیں امید ہے کہ محکمہ امتحانات مزید حب الوطنی کا مظاہرہ کرتے ہوئے میڈیکل کے پرچوں کی بجائے بھی اردو کے پرچے دے گا ویسے بھی جب بیماری انگریزی سے اردو آتی ہے تو وہ اتنی بیماری نہیں رہتی۔ خود ہی دیکھ لیں جو تکلیف HEARTPAIN میں ہے وہ درد دل میں کہاں

"درد دل کے واسطے پیدا کیا انسان کو"

اگرچہ طریقہ امتحان کے بارے میں ہماری یہی رائے ہے کہ ایسا طریقہ ہو کہ امتحان نہ ہو لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ ہم امتحانات سے ڈرتے ہیں بلکہ امتحان تو ہمیں اتنے بھاتے کہ جو امتحان دوسرے صرف ایک بار ڈرتے ڈرتے دیتے جاتے ہم اس کے لیے بھی بار بار جاتے۔ بچپن ہی سے ہمیں پتہ ہے کہ مور، مینڈک اور مرغی انڈے دیتے ہیں سو آج بھی ہم سے اگزامیز کے سپلنگ پوچھے جائیں تو منہ سے EGGSAMINER ہی نکلتا ہے ہم امتحان سے ہفتہ پہلے ہی مکمل تیاری کرلیتے یعنی نہا دھو کر کپڑے پہن کر بیٹھ جاتے تاکہ عین وقت پر ہمارے ساتھ بھی گیانی کرتار سنگھ کی طرح نہ ہو۔ انہیں مشرقی پنجاب کی نئی وزارت کے رکن کے طور پر حلف اٹھانا تھا۔ ان دنوں وہ شملہ میں ایک دوست کے ساتھ بنگلے میں رہ رہے تھے۔ گیانی جی نے سوچا کیوں

نہ نہا لیا جائے حالانکہ وہ غسل خانے کو غسل کھانا کہتے۔ ایک بار تو انہیں ایک کمرے میں بکری کے ساتھ گزارنا پڑی کسی نے صبح پوچھا رات کو بدبو کی وجہ سے کوئی مسئلہ تو نہیں ہوا! کہا پہلے ہوا مگر پھر بکری اڈجسٹ کر گئی۔ سو ان کے دوست کے خواب وخیال میں بھی نہ تھا کہ گیانی جی غسل خانے میں ہوں گے اس نے سوچا وہ حلف برداری کے لیے جا چکے ہیں۔ سو وہ بنگلہ باہر سے مقفل کر کے چلا گیا۔ تب سے گیانی جی کے سپورٹرز غسل خانوں کے خلاف ہیں۔ بہرحال ہم کبھی کسی کمرہ امتحان میں لیٹ نہ گئے ایک بار لیٹ گئے تو ممتحن نے کہا اٹھ جاؤ یہ بھی کوئی لیٹنے کی جگہ ہے۔ اتنے امتحانات دینے کے باوجود ایک خواہش تھی کہ ہم سے انگریزی کا امتحان اردو میں لیا جائے سو وہ اب جا کے محکمہ امتحانات نے پورا کیا۔ ممکن ہے کہ یہ سب محکمہ تعلیم کی نقل کم کرنے کی مہم کا حصہ ہو کہ طلبہ کو پتہ ہی نہ چلنے دیا جائے گا کہ صبح اردو کا پرچہ ہے یا انگریزی کا۔ وہ الجبرے کا امتحان دینے آئیں' آگے سے انہیں امور خانہ داری کا سوالنامہ تھما دیا جائے۔ یوں طلبہ کو نہ یہ پتہ ہو گا کہ صبح کونسا پرچہ ہے اور نہ وہ ساتھ نقل کا مواد لا سکیں گے مگر اتنا سرپرائز نہیں ہونا چاہیے جیسا ہمارے دوست رفعت کے ساتھ ہوا: ہمیں پتہ چلا وہ میڈیکلی ان فٹ قرار دیئے گئے ہیں۔ ہم نے وجہ پوچھی تو بولے نام کی وجہ سے مجھے میڈیکل چیک اپ کے لیے وہاں بھیج دیا گیا جہاں زنانہ میڈیکل چیک اپ ہو رہا تھا سو مجھے میڈیکلی ان فٹ تو ہونا ہی تھا۔

ایک چینی شاعر کی نظم ہے جس کا آزاد ترجمہ یوں ہے:

"اے خدا میرا بیٹا تعلیم میں اتنا اعلیٰ نہ ہو کہ وزیر اعلیٰ نہ ہو"

ہمارے وزیر اعلیٰ صاحب تعلیم میں خصوصی دلچسپی لیتے ہیں۔ انہوں نے کہا ہے طریقہ امتحانات کو بہتر بنانے کے لیے ممکن ہے امتحانات زبانی لیے جائیں۔ ہو سکتا ہے میرٹ پر وہ ارکان

اسمبلی کا امتحانات میں پاس کوٹہ بھی مقرر کر دیں تاہم زبانی امتحان پر ایسے اعتراض اٹھیں گے۔ ایک معروف اداکارہ کی بیٹی کو زبانی امتحان کے لیے بلایا گیا بڑی سفارش تھی' ممتحن نے سوچ سوچ کر سب سے آسان سوال یہ پوچھا بیٹی آپ کے والد کا نام کیا ہے؟ تو ساتھ بیٹھی اس کی ماں بولی آپ بے بی سے اتنے مشکل سوال تو نہ پوچھیں۔ ہمارے ایک وفاقی وزیر کے بیٹے سے پوچھا گیا کہ پاکستان کا صدر مقام کہاں ہے؟ کہا صفحہ نمبر 87 پر۔ ممتحن نے اس کے والد کو یہ بتایا تو والد صاحب بولے کوئی بات نہیں بچہ ہے صفحہ آگے پیچھے ہو گیا ہو گا۔ سچی بات ہے ہمیں خود زبانی سوالوں سے ڈر لگتا ہے پبلک سروس کمیشن کے امتحان میں ہم سے پوچھا گیا' امریکہ کا صدر مقام کہاں ہے؟ ہم نے کہا ساری دنیا میں۔ ہم نے تو اس پر بھی اعتراض کیا کہ دنیا گول ہے' اگر گول ہے تو پھر اس کے چار کونے کیوں ہیں؟ ہمارا تو یہ خیال ہے کہ بہتر ہے کہ انعامی ٹکٹوں کی طرح امتحانات کا نتیجہ بھی قرعہ اندازی سے نکالا جائے جس میں نہ صرف نقل اور قبضہ گروپ کی حوصلہ شکنی ہو گی بلکہ حکومت اپنی ضرورت کے حساب سے تعلیمی نتائج حاصل کر سکا کرے گی اور امتحانات کے انعقاد پر ہونے والا خرچہ بھی بچے گا۔

○○○

• پشہ ور

محکمہ صحت نے منادی کرادی کہ مچھروں کو اپنے گھروں میں داخل نہ ہونے دیں۔ دروازوں، کھڑکیوں، اور روشن دانوں پر جالی لگوائیں۔ ہم نے تو احتیاطاً "بغیر اجازت اندر داخل نہ ہونا منع ہے" کا بورڈ بھی لگوادیا ہے۔ چراغ حسن حسرت لکھتے ہیں کنشک جو بڑا مشہور راجہ گزرا ہے، اس نے پشاور میں مچھروں کے بڑے بڑے تالاب بنا رکھے تھے۔ اس زمانے میں یہ شہر پشہ ور اور راجہ پشہ پرور (مچھر پال) کے لقب سے مشہور تھا۔ آگے چل کر یہ پشاور بن گیا۔ اس راجہ نے بھی ایسا فرمان جاری کر رکھا تھا کہ رات کو دروازے بند رکھیں تاکہ مچھر راستہ بھول کر آپ کے گھر نہ آجائیں۔ محکمہ صحت کی وجہ سے ہمارے ہاں صحت بہتر ہو گئی ہے۔ جی ہاں مچھروں کی صحت بہت بہتر ہو گئی ہے۔ ویسے بھی فی زمانہ جتنے مچھر قوالوں کی تالیوں سے مر جاتے ہیں اتنے محکمے کی ڈی ڈی ٹی سے نہیں مرتے۔ کہتے ہیں قوالوں کا ایسا کرنا دراصل مچھروں سے ان کی پیشہ ورانہ رقابت کا نتیجہ ہے۔ ویسے ہم نے گاتے ہوئے بڑے بڑوں کو بے سرے ہوتے دیکھا ہے مگر کسی مچھر کو کبھی بے سرا نہیں پایا۔ پھر مچھر کا گانا وہ پہلا گیت ہے جس پر رقص کیا گیا۔ آج تک ہم نے کسی کو مچھر کا گانا اچھلے کودے بغیر سنتے نہیں دیکھا۔ آج کل ہر محکمہ اپنے کام بذریعہ اشتہار کرتا ہے۔ سو ممکن ہے کل محکمہ صحت یہ اشتہار دے کہ ہر کوئی اپنے دروازے پر یہ لکھ کر لگوائے کہ یہاں مچھروں کا داخلہ ممنوع ہے تاکہ کہیں مچھر غلطی سے داخل ہو کر مارے نہ جائیں۔ انگریزی میں مچھر کو "ماس کیٹو" کہتے ہیں حالانکہ ہمیں تو یہ اردو ہی لگتا ہے۔ ماس کیٹو یعنی ماس کاٹنے والا۔ ہمیں مچھر اسی لیے اچھے لگتے ہیں کہ اس دنیا میں عریانی او ننگے پن کے خلاف جتنی مہم انہوں نے چلائی کسی اور نے کیا چلائی ہوگی؟ آج بھی مغرب میں کوئی عورت پورے لباس میں نظر آئے تو یہ سب مچھروں کے ڈر کی وجہ سے ہے۔ اسی وجہ سے مغرب

میں مچھر دانی زنانہ لباس کے طور پر استعمال ہوتی ہے۔ پھر ہمارے ہاں کے مچھر تو اس نسل سے ہیں جس نے نمرود جیسے ظالم کو ختم کیا۔ کم از کم ان کی صحت اور حوصلے سے تو یہی لگتا ہے۔ مچھروں کو وہی پسند ہے کہ جس پر اردو شاعر جان دیتے ہیں یعنی گھنی سیاہ زلفیں۔ مچھر اور مرد سفید بالوں کی طرف نہیں جاتے۔ استاد ذوق تک نے بادشاہوں کے علاوہ کسی کا قصیدہ لکھا تو وہ مچھر ہی ہیں۔

پشے سے سیکھے شیوۂ مردانگی کوئی
جب قصد خوں کو آئے تو پہلے پکار دے

شاید محکمہ صحت مچھروں کے لیے اتنے اتنے بڑے اشتہار اس لیے دے رہا ہے کہ آخر مچھروں کی رگوں میں انہی کا خون دوڑ رہا ہے۔ فلوریڈا یونیورسٹی میں آج کل سائنس دان اس پر ریسرچ کر رہے ہیں کہ مچھر آخر اپنے پسندیدہ افراد کو ہی کیوں کاٹتے ہیں؟ حالانکہ اس میں پریشانی کی کون سی بات ہے۔ مچھروں کی رگوں میں انسانی خون ہوتا ہے سو ان میں انسانی عادات آنا کوئی اچنبھے کی بات نہیں۔ مچھروں کے کام بھی لیڈروں والے ہوتے ہیں۔ یعنی آپ کو خواب غفلت سے بیدار کرتے ہیں۔ پھر جس قصبے اور گاؤں میں مچھر زیادہ ہو جائیں چوریاں کم ہو جاتی ہیں کسی کو سونے دیں گے تو اس کی چوری ہو گی۔

ایک ڈاکٹر نے ہمیں بتایا کہ مچھر کی وجہ سے ملیریا ہوتا ہے جس کے باعث پڑھائی میں میرا سال ضائع ہو گیا۔ پوچھا کیا آپ کو امتحان کے دنوں میں ملیریا ہو گیا تھا؟ کہا نہیں امتحان میں پروفیسر صاحب نے مجھ سے ملیریے کے بارے میں سوال پوچھے تھے۔ ملیریا مادہ مچھر کے کاٹنے سے ہوتا ہے۔ مادہ مچھر کی پہچان یہ ہے کہ وہ بھی موٹی ہوتی ہے اگرچہ موٹاپا تو ہے ہی ایک زنانہ موضوع' وزن بھی دراصل وہ۔ ۔ ۔ زن ہے وکا مطلب او صاحب کہ زن عورت کو کہتے ہیں یعنی مزید عورت۔ بہرحال آپ کو مادہ مچھر کو پہچاننے

کی ضرورت نہیں وہ خود ہی آپ کو پہچان لے گی۔ البتہ مگھمہ صحت کے اشتہار میں جالی کا ذکر ہے۔ اس سے قبل مچھر دانی سے یہی کام لیا جاتا تھا یعنی اس میں جو مچھر ایک بار داخل ہو جاتا پھر وہ باہر نہ نکل سکتا۔ یہاں جالی سے مراد وہ مچھر دانی ہے جسے گھر والوں کی بجائے گھر اوڑھتا ہے۔ ویسے ہمیں تو یہ جالیاں بیچنے والی کسی کمپنی کا اشتہار لگتا ہے، جس میں مگھمہ صحت صرف ماڈلنگ کر رہا ہے۔

○○○

• میرا گالا اے دلدار

آپ اس عنوان سے یہ نہ سمجھیں کہ میں دلدار بھٹی کے بارے میں لکھنا چاہ رہا ہوں۔ ویسے بھی ان کا رنگ ایسا ہے کہ جس محفل میں ہوں اس کو رنگین بنا دیتے ہیں لاس اینجلز (Los Angeles) کے بارے میں لکھنا چاہ رہا ہوں جو آج کل لوس انجلز (Los Angeles) بن چکا ہے۔ یہ وہ شہر ہے جس کے بارے میں ایک بار ہرب کین نے لکھا تھا کہ میں لاس اینجلس گیا اور سارا دن اسے ڈھونڈتا رہا مگر وہ مجھے کہیں نہ ملا۔ وہاں تو باپ بیٹا بھی ایک دوسرے سے ملیں تو پہلی بات یہی کہیں گے "لگتا ہے آپ کو پہلے بھی کہیں دیکھا ہے؟" وہاں دولت کی Rat Race کی رونق ہے اور ریٹ ریس کا اس سے بڑا نقصان اور کیا ہوگا کہ اس میں جو جیت جائے وہ بھی ریٹ ہی رہتا ہے۔ کہتے ہیں لاس اینجلس میں آپ آنکھیں بند کرکے جس کو بھی ہاتھ لگائیں گے وہ کالا ہی ہوگا جس کی وجہ شاید یہ ہو کہ آپ آنکھیں کھول کر بھلا کالے کو کیوں ہاتھ لگائیں گے' ہمارے ہاں تو "خاکی" ہی سیاہ و سفید کا مالک ہے لیکن وہاں تو رات کو اندھیرا بھی کالا سفید ہوتا ہے۔ لاس اینجلس میں آپ کو گورے بیٹھے ہوئے نظر آئیں گے اور کالے ان کے لیے کھڑے۔ وہاں گورے بلیک کے ساتھ میل رکھنا اتنا ہی برا سمجھتے ہیں جتنا ہم بلیک میل کرنا۔ اگر کوئی گورا کسی کالے کو سنے تو یقین کرلیں وہ اس کا گانا سن رہا ہوگا۔ کہتے ہیں کالوں کے گانے اور گالیاں تو بہرے بھی خوش ہو کر سنتے ہیں شاید وہ سن کر اپنے بہرے ہونے پہ خوش ہوتے ہوں گے ویسے بلیک سنگر کا کیسٹ رنگین ہو کے بھی بلیک ہوتے ہوئے ہم نے خود دیکھا ہے۔

جیمز بالڈون نے جب کہا کہ جلد کی رنگت دیکھ کر اندازہ نہیں کیا جاسکتا کہ کون کالا ہے؟ تو لاس اینجلس میں یہ مسئلہ کھڑا ہو گیا کہ کیسے پتہ چلایا جائے فلاں کالا ہے' کسی سیانے کالے نے کہا اگر تم کسی شخص کو رولز رائس میں بیٹھا دیکھو تو یقین کرلو

کہ وہ کالا نہیں ہے بشرطیکہ وہ شوفر نہ ہو۔ اسمبلی میں مشہور ہے کہ کالے رکن خود کلامی کرتے ہیں، ایک گورے رکن اسمبلی نے کہا میرے ساتھ والا کالا رکن اسمبلی میں خود کلامی کرتا ہے مگر وہ یہ سمجھتا ہے میں اس کی بات سن رہا ہوں۔
امریکہ وہ ملک ہے جو اس وقت خلائی شٹل تیار کر رہا تھا جب ہمارے ہاں صرف شٹل کاک برقعے تیار ہوتے تھے۔ خلائی تحقیق میں تو امریکی خلا باز خدا تک پہنچنے کی کوشش کر رہے ہیں ویسے ہمارے لیے تو یہ کوئی بڑی بات نہیں۔ ہمارے تو صدر ضیاء الحق اور جنرل اختر عبدالرحمان بذریعہ ہوائی جہاز خدا تک پہنچ بھی چکے ہیں۔ اتنی ترقی کے باوجود امریکہ صرف ایک کالے کو گورا کر سکا اور وہ ہے مائیکل جیکسن جس نے چہرے کی جلد پلاسٹک سرجری سے گوری کر لی لیکن وہ بھی کہتا ہے میں پیدائشی کالا نہیں جب میں پیدا ہوا تو گورا تھا مگر ہسپتال میں نرس کی غلطی سے مجھے کالے سے بدل دیا گیا۔
مارٹن لوتھر کنگ کو بھی بالآخر یہ کہنا پڑا کہ "میں کسی گورے کا برادر تو بن سکتا ہوں برادر ان لاء نہیں" یوں کالوں اور گوروں میں کوئی قانونی رشتہ نہ بن سکا۔ لاس اینجلس میں کسی سے پوچھو لیگل کسے کہتے ہیں؟ تو جواب ملے گا امریکہ کے قومی پرندے کو، امریکی عدالتوں میں ایک دوسرے پر روزانہ جتنے کیس ہوتے ہیں ہمارے ہاں تو روز اتنے ڈلیوری کیس نہیں ہوتے لیکن عدالتیں ہمیشہ کالے دھن کالے کرتوتوں، کالے چوروں اور کالوں کے خلاف ہی فیصلہ دیتی ہے۔ یہی نہیں ہمارے ہاں تو سزا بھی ہوتی ہے کہ برے کا منہ کالا کرکے اسے گدھے پر بٹھا کر یوں پھرایا جاتا ہے کہ اکثر لگتا ہے یہ سزا اس بندے کو نہیں گدھے کو دی جا رہی ہے۔ ہم تو کہتے ہیں اگر لاس اینجلس جیسے حادثوں سے بچنا ہے تو عدالتیں سفید کرتوتوں اور سفید چوروں کے خلاف بھی فیصلہ دیں آخر برے کا منہ سفید کرکے اسے گلیوں میں کیوں نہیں پھرایا جاتا۔

• واہیات

رکن اسمبلی سکندر حیات ملہی صاحب نے ابھی یہ مطالبہ ہی کیا تھا کہ اراکین اسمبلی کو گرلز کالجوں میں معائنے کی اجازت ہونی چاہیے' لیکن گرلز کالجوں کے اردگرد منڈلانے والے نوجوانوں اور بے شمار بے روزگاروں نے آئندہ الیکشن لڑنے کی تیاریاں بھی شروع کردیں۔ یہی نہیں اس کے لیے کام بھی شروع کردیا۔ افریقہ کے قبائل میں ایسے ہی ایک سردار نے کہا عورتیں اور مرد اکٹھے رہنے کی وجہ سے کام نہیں کرتے۔ سو اس نے قبیلے کے مردوں کو ایک جزیرے اور عورتوں کو الگ جزیرے پر بھیج دیا۔ اسی روز سے قبیلے کے تمام افراد دن رات کام کرنے لگے۔ جی ہاں رات دن کشتیاں بنانے میں جت گئے۔ سو نوجوانوں کو گرلز کالجوں کے اندر جانے کی امید نظر آئی ہے تو وہ بھی الیکشن کی تیاریاں کرنے لگے ہیں۔ ہم تو سکندر حیات کے اس مطالبے پر اس لیے بھی خوش ہیں کہ چلو اسی بہانے اراکین اسمبلی کو تعلیمی اداروں میں جانے کا موقع تو ملے گا۔ ہم تو سمجھتے ہیں بندے کو علم حاصل کرنا چاہیے' چاہے اس کے لیے گرلز کالج میں ہی کیوں نہ داخل ہونا پڑے۔ گوجرانوالہ میں ہمارے ایک رکن اسمبلی کو کالج میں انعام دینے کے لیے بلایا گیا تو کالج کا ماحول دیکھ کر وہ اتنے خوش ہوئے اور کہا میرا دل چاہتا ہے کہ میں بھی میٹرک کر ہی لوں۔ اگرچہ سکندر حیات صاحب خود ایسے ہیں کہ پوچھو سکول کونسا پسند ہے؟ کہیں گے جو بند ہو۔ یادداشت ایسی کہ آپ ملیں تو کہیں گے آپ کا نام یاد آ رہا ہے مگر آپ کی صورت یاد نہیں آرہی۔ سکول میں استاد نے ایک بار کہا آپ پر الزام ہے کہ آپ ذہین ہیں۔ کہتے ہیں سکول میں سب سے زیادہ حاضریاں ہونے پر انہیں انعام کا حقدار قرار دیا گیا۔ جس دن یہ انعام دیا گیا اس دن موصوف غیر حاضر تھے۔ دروغ بر گردن راوی ایک بار انہوں نے گرلز کالج کی پرنسپل کو خط لکھا تو انہوں نے جواب میں یہ کہا "جہاں جہاں عبارت پڑھی جاتی ہے بچے غلط ہیں" تاہم

تعلیمی اداروں سے ان کی محبت میں کمی نہیں آئی۔ انہوں نے کہا ہے کہ چونکہ ہم عوام کے خادم اور ذمہ دار ہیں اس لیے ہمیں گرلز کالجوں میں معائنے کی اجازت ملنی چاہیے۔ جہاں تک ذمہ دار ہونے کی بات ہے تو جو کچھ ملک میں ہو رہا ہے ہم تو انہیں ہی ذمہ دار ٹھہراتے ہیں۔

سکندر حیات صاحب نے بوائز کالجوں کا ذکر نہیں کیا ویسے بھی بوائز کالجوں میں بندہ چار دن جا کے بے کار بیٹھے تو طلبہ استاد سمجھ کر سلام کرنے لگتے ہیں۔ ہمارے ہاں وہ کالج جس کے گیٹ پر لڑکوں کا رش ہو گرلز کالج کہلاتے ہیں۔ تمام بوائز کالجوں اور ہوسٹلوں کے راستے گرلز کالجوں کے سامنے سے گزرتے ہیں۔ ایک بار مقامی کالج کے سامنے موٹر سائیکلوں پر گھومنے والے لڑکوں پر سختی کی گئی جس سے بڑی مشکل پیش آئی۔ جی ہاں لڑکیوں کو گھر آنے جانے میں مشکل پیش آئی۔ اس سے پہلے گرلز کالجوں کا سیاست دانوں کے ہاں یہی استعمال تھا کہ گوجرانوالہ کا ایک مقامی لیڈر چودھری ادھر علی ادھر ساری رات گرلز کالج کی دیواروں پر یہ لکھتا رہتا کہ چودھری ادھر علی ادھر کو رہا کرو۔ انتظامیہ روز مٹاتی مگر اگلے دن پھر لکھا ہوتا۔ یہاں تک کہ انتظامیہ کو نوٹس لکھ کر لگوانا پڑا کہ ہم یقین دلاتے ہیں کہ چودھری ادھر علی ادھر یہاں بند نہیں ہے۔ البتہ جو وزیر بن جاتے ہیں وہ گرلز کالجوں میں اندر تک آ جاتے ہیں۔ ایک ایسے وزیر لاہور کے ایک گرلز کالج میں سائنسی مصنوعات کے ماڈلز اور نئی نئی چیزوں کی نمائش سے واپس آئے تو ایک بے تکلف صحافی نے پوچھا: "کس کی بنائی ہوئی چیزیں سب سے زیادہ پسند آئیں۔" کہا: "خدا کی" اب عام اراکین نے بھی گرلز کالجوں میں جانے کی اجازت مانگ ہی لی ہے تو ہمیں لگتا ہے کہ اس پر سب سے زیادہ مخالفت اراکین کی بیگمات کی طرف سے ہو گی۔ ہم یہ بھی نہیں لکھتے کہ اراکین گرلز کالجوں کے معائنے کے لیے جاتے وقت اپنی بیگمات کو لازماً ساتھ لے جائیں۔ کیونکہ اراکین پہلے ہی یہ کہتے ہیں کہ ہم ہمیشہ ان کے خلاف ہی لکھتے ہیں۔ بہرحال سکندر حیات صاحب کو "پھر" سے یہ موقع ملنا چاہیے۔ جیسے نپولین نے ایک قربان گلو پر دیکھا کہ بارہ چاندی کے مجسمے ہیں۔

پتہ چلا یہ ان صاحبوں کے ہیں جو عمر بھر عوام کے خادم رہے اور لوگوں کے کام آتے رہے۔ چیئرمین نے خوش ہو کر کہا ان کو ڈھال کر سکے بنادو تاکہ یہ دوبارہ دو دو ٹکے ہو کے لوگوں کے کام آسکیں۔ اگرچہ یہ واضح نہیں کیا گیا کہ روزانہ وہاں جانے کی اجازت ملنی چاہیے یا کبھی کبھی۔ ملتان کے نواحی قصبے میں بیالوجی کے پروفیسر کو لیکچر دینے کے لیے گرلز کالج جانا پڑا۔ کیونکہ وہاں اس مضمون کی خاتون استاد نہ تھی۔ گرلز کالج کی پرنسپل نے بڑا سخت ٹائم ٹیبل دیا ہے تو ہم نے کہا کیا ہفتے میں ہر روز آنے کا پابند کیا ہے؟ کہا نہیں یہ پابند کیا ہے کہ آپ ہفتے میں صرف ایک روز آئیں گے۔ بہرحال الکحل اور حکومت سب حل کردیتی ہے اور حکومت یہ مسئلہ بھی حل کردے گی لیکن ہم ان ملکی حالات میں ایسے مطالبہ پر سکندر حیات صاحب کو یہی کہہ سکتے ہیں بھئی واحیات۔

ooo

• ساز۔ ۔ ۔ و ۔ ۔ ۔ سامان

یہ مانا کہ موسیقی صحت کے لیے اتنی ضروری ہے کہ خرابی صحت کو طبیعت ناساز یعنی ساز کے بغیر طبیعت کہتے ہیں پھر بھی جب ہم اخبار میں پڑھتے ہیں کہ فلاں والدین نے بچی کو جہیز میں بڑا ساز و سامان دیا سو سامان کی بات تو سمجھ میں آجاتی ہے مگر یہ پتہ نہ چلتا کہ والدین ساتھ ساز کیوں دیتے ہیں یہی بات اس وقت بھی ہمارے ذہن میں آئی جب پتہ چلا کہ غلام اسحاق خان ایوان صدر سے اپنا ساز و سامان پشاور منتقل کر رہے ہیں لیکن استاد شیر افگن نیازی صاحب نے انکشاف کر دیا کہ غلام اسحاق خان صاحب جب بچے تھے تب بھی انہیں موسیقی سے بڑا لگاؤ تھا۔ اگرچہ اس بیان میں ہمارے لیے تو یہ انکشاف ہے کہ غلام اسحاق خان بچے بھی ہوتے تھے۔ بزرگ دو طرح کے ہوتے ہیں ایک اپنی طرح کے اور دوسرے اور طرح کے۔ غلام اسحاق خان اور طرح بلکہ صرف طرح والے بزرگ ہیں۔ یہ اس وقت بھی بزرگ تھے جب ابھی آج کے بزرگ بچے تھے۔

موسیقی کے بارے میں ہم اتنا ہی جانتے ہیں کہ اس کے بارے میں اتنا نہیں جاننا چاہیے۔ کچھ کے نزدیک دنیا کے شور میں سب سے قیمتی شور موسیقی کا کہلاتا ہے۔ بہرحال ہم سمجھتے تھے سیاستدانوں کو صرف اداکاری کا ہی شوق ہوتا ہے۔ ہمارا پسندیدہ ٹی وی ڈرامہ "خبرنامہ" ہوتا ہے کہ اس کی کاسٹ میں ملک کے تمام کامیاب اداکار شامل رہتے ہیں اگرچہ ناکام ہونے والے بھی بڑے اداکار ہوتے ہیں بلکہ اکیڈمی ایوارڈ میں تو سب سے بہترین اداکاری ہارنے والوں کی ہی ہوتی ہے' اس وقت جب وہ جیتنے والوں کو مبارک باد دے رہے ہوتے ہیں۔ ہم نے اخباروں سے جو لاعلمی حاصل کی اس کے مطابق صرف چند سیاستدانوں کو گانے پسند ہیں البتہ گانے والے کو پسند کرنا اور بات ہے۔

پیر پگارا صاحب کافی کو کافی پسند کرتے ہیں ان کی کافی بلیک ہوتی ہے۔ سن رہے ہوں تو ایسا منہ بناتے ہیں جیسے کافی سن نہیں رہے پی رہے ہیں۔ نوابزادہ صاحب کو موسیقی

میں قوالی پسند ہے جس کی وجہ سے ہم یہ سمجھتے ہیں کہ قوالی واحد گیت ہے جو "اتحاد" بنا کر گایا جاتا ہے وہ بھی یوں کہ کسی ایک کی آواز بھی صاف سنائی نہ دے۔ گانوں کی اے بی سی قوالی کہلاتی ہے۔ لیکن کلاسیکل گانا تو وہ گانا ہے جسے سننے کے لیے بھی بڑا ریاض کرنا پڑتا ہے۔ غلام اسحاق خان صاحب نے وہ کام کئے ہیں جو ہمارے گذشتہ دور بھی نہ کر سکے ان میں سے ایک کلاسیکل موسیقی کو پسند کرنا ہے۔

ہم سمجھتے ہیں موسیقی سے لطف اندوز نہ ہونے کے لیے موسیقی کا بڑا علم ہونا چاہیے البتہ لطف اندوز ہونے کے لیے صرف کان چاہئیں۔ غلام اسحاق خان کی تو زبان بھی کان ہے وہ بھی سونے کی کان۔ ان کی خاموشی بڑی بلند آہنگ ہوتی ہے۔ وہ صرف منہ بند کرنے کے لیے ہونٹ ہلاتے ہیں جب صدر تھے تو دو بار منہ کھولا دونوں بار اسلام آباد کے ایک ڈینٹسٹ ڈاکٹر کے کلینک پر جس پر ڈاکٹر بہت خوش ہوا خیر ڈینٹسٹ کا تو کام ہی دانت نکالنا ہوتا ہے۔ غلام اسحاق خان صاحب کے دانت 79 سال کی عمر میں ایسے مضبوط تھے کہ وہ اخروٹ' اسبغول اور بادام توڑ لیتے۔ ان کے پروفائل میں سب سے نمایاں فائل ہی ہوتی۔ وزیر خزانہ تھے تو ہر نوٹ پر لکھتے پھر ہر پر نوٹ لکھنے لگے۔ اس عمر میں بہترین یادداشت اس کی ہوتی ہے جس کو دوسرے کی برائیاں اور اپنی نیکیاں یاد نہ رہیں مگر انہیں تو یہ بھی یاد ہوتا ہے کہ انہیں کیا بھولنا ہے۔ ان کے پاس کلاسیکل موسیقی کے ایسے ریکارڈ ہیں جنہیں لگایا ہو تو دوسرے یہی سمجھتے ہیں موسیقی کا ریکارڈ لگایا جارہا ہے۔ موسیقی میں سب سے بڑی خوبی یہ ہوتی ہے کہ اس کا ترجمہ نہیں کیا جاسکتا۔ ویسے بھی جو بات موسیقی میں نہ کی جاسکے وہ اس قابل نہیں ہوتی کہ کہی جائے جب سے ہم نے غلام اسحاق خان صاحب کو کلاسیکل موسیقی باقاعدہ سننے کا پڑھا ہے' ہم بھی پڑھتے وقت اسے سننے لگے ہیں جس کا یہ فائدہ ہوا ہے کہ جب بھی ہم نے اس موسیقی کو لگایا ہو مہمان نہیں آتے او پھر باہر کا شور ہمیں ڈسٹرب نہیں کرتا۔ کلاسیکل موسیقی کے ایک مظاہرے میں ہم بھی گئے ہم سے پہلے ہی ایک استاد سٹیج پر مظاہرہ کر رہے تھے۔ ہم آخر تک پوچھتے رہے کہ یہ کس کے خلاف مظاہرہ کر رہے

ہیں۔ ہو سکتا ہے غلام اسحاق خان اس لیے کلاسیکل موسیقی کی محفلوں میں جاتے ہوں کہ زیادہ رش والے مقامات پر جانا ان کے لیے ٹھیک نہیں بہرحال ہم یہ ضرور کہہ سکتے ہیں کہ غلام اسحاق خان جیسا کم گو اور ٹھنڈے مزاج کا ہونے کے لیے کلاسیکل موسیقی سنتے رہنا ضروری ہے۔

ooo

• صدام سنڈروم

ہمارے ہاں غیر حاضر دماغ ہونا بڑی صفت ہے جو اکثر بڑے پڑھے لکھے لوگوں اور پروفیسر صاحبان میں ہوتی ہے۔ صاحب! ٹیچنگ اچھا پروفیشن ہے بس اس میں مسئلہ یہ ہے کہ کبھی کبھی کلاس بھی پڑھانا پڑتی ہے اور اصل پروفیسر وہی ہوتا ہے جسے یہ یاد نہ ہو کہ وہ کلاس پڑھانے جارہا ہے یا پڑھا کے آرہا ہے۔ ہمارے اپنے پروفیسر صاحب ایک دن کہنے لگے ہیں صبح چھتری لے جانا بھول گیا تھا۔ ہم نے پوچھا آپ کو کیسے پتہ چلا کہ آپ چھتری لے جانا بھول گئے۔ کہا: بارش کے بعد جب میں نے چھتری بند کرنے کے لیے ہاتھ اوپر کیا تو وہاں نہ تھی۔ ایک تازہ خبر کے مطابق یہ پروفیسرانہ صفت خلیج کی جنگ میں شرکت کرنے والے امریکی فوجیوں میں پائی جارہی ہے۔ امریکہ کے ذہنی امراض کے ماہر ڈاکٹر جو ذہنی امراض کا بیس سالہ تجربہ رکھتے ہیں ان کی شکل دیکھ کر تو لگتا ہے ان امراض میں مبتلا ہونے کا بیس سالہ تجربہ رکھتے ہیں۔ انہوں نے اس صفت کو بیماری قرار دے کر اس کا نام "ڈیزرٹ سٹارم سنڈروم" رکھ دیا ہے۔ کہتے ہیں ڈاکٹر اور بیماری کا تو دن رات کا ساتھ ہوتا ہے ویسے یہ ضروری بھی نہیں کچھ ڈاکٹر غیر شادی شدہ بھی ہوتے ہیں۔ ڈاکٹر موصوف جو مرض کو مرضی کا مونث سمجھتے ہیں ان کے مطابق ڈیزرٹ سٹارم سنڈروم میں مبتلا لوگوں کی یادداشت اتنی کمزور ہو جاتی ہے کہ انہیں اتنا بھی یاد نہیں ہوتا کہ پچھلے ہفتے وہ زندہ تھے بھی یا نہیں۔

امریکہ کے بارے میں ہماری وہی رائے ہے جو امریکہ کی ہمارے بارے میں ہے لگتا ہے انہوں نے حافظہ کمزور ہونے کو بیماری قرار دے کر دراصل ہمیں بیمار کہا کیونکہ ہمارے عوام میں یہی تو خوبی ہے کہ وہ بہت جلد بھول جاتے ہیں۔ ہمارے ایک سیاستدان جن کا تعلق ملک کے بڑے بڑے شہروں میں ہوتا ہے وہ اپنے حلقے سے دوبارہ جیتے تو ہم نے پوچھا "آپ اس لیے جیتے ہیں کہ آپ نے اپنے حلقے میں جو کام کیے وہ عوام

کو یاد تھے" کہا "یاد نہیں تھے اسی لیے تو جیتا" ہمیں خود یہ بات نہیں بھولتی کہ ہماری یادداشت بہت کمزور ہے۔ ہم نے یادداشت تیز کرنے والی دوائی لیکن افاقہ نہ ہوا کیونکہ دوائی کھانا یاد نہ رہتا۔ امریکی خواب نہیں دیکھتے جس کی وجہ تو یہی ہے کہ وہ ایک بیدار قوم ہے اور خواب سوئے ہوئے لوگوں کو آتے ہیں۔ امریکی بہت کم بیمار ہوتے ہیں جس کی وجہ یہ ہے کہ وہاں کسی کے پاس بیمار ہونے کیلئے وقت ہی نہیں۔ امریکہ بزنس اور بزی نس کا نام ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے ڈیزرٹ سٹارم سنڈروم کی علامات میں بتایا ہے کہ بندے کی یادداشت ختم ہو جاتی ہے اور پھر زندگی ختم ہو جاتی ہے اس سے تو لگتا ہے کہ یہ فوجی جس مرض میں مبتلا ہیں وہ بڑھاپا ہے۔ بڑھاپے میں یادداشت کا یہ حال ہوتا ہے کہ گوجرانوالہ کے ایک خلیفہ پہلوان کہتے ہیں مجھے یاد ہی نہیں رہتا کہ میں کھانا کھا کے بیٹھا ہوں یا کھانا کھانے بیٹھا ہوں۔ وہ کھانا کھا رہے ہوں تو یہ نہیں کہتے کہ بس اب پیٹ بھر گیا ہے یہ کہتے ہیں بس اب میں تھک گیا ہوں۔ پھر امریکہ میں اپنی خامیوں کو بھول جانا یادداشت کی خرابی نہیں البتہ انہیں یاد رکھنا یادداشت کی خرابی ہے۔ جہاں تک مرنے کا تعلق ہے تو ہر کوئی مرتا ہے البتہ نہ مرنا حیرانی کی بات ہو سکتی ہے امریکی تو کولمبس کے بارے میں بھی حتمی طور پر اتنا ہی جانتے ہیں کہ وہ مرچکا ہے ہم سمجھتے ہیں امریکی فوجی جس بیماری میں مبتلا ہیں وہ صدام ہے۔ امریکی صدام اور جذام کا شرطیہ خاتمہ چاہتے ہیں۔ شرطیہ علاج ویسے ہمارے ہاں ہی ہوتا ہے۔ فیصل آباد کے ایک ڈاکٹر نے شرطیہ کہا کہ ہفتے کے علاج سے عینک چھڑا دوں گا۔ واقعی ایک ہفتے کے بعد علاج کروانے والے نے عینک لگانا چھوڑ دی کیونکہ اب اسے عینک کے ساتھ بھی نظر آنا بند ہو گیا تھا۔ جہاں تک یادداشت کا تعلق ہے تو امریکی فوج خلیج کی جنگ میں شرکت سے پہلے بھی ایسے ہی تھے جب خلیج کی جنگ شروع ہوئی تو ایک امریکی فوجی نے کہا تھا میں لڑنے کے قابل نہیں ہوں کیونکہ میں بھول جاتا ہوں۔ یہاں آنے سے پہلے اپنے گھر میں تھا تو بھی بھول گیا۔ پوچھا "کیا بھول گئے؟"

کہا "گھر میں ٹھہرنا بھول گیا" ویسے اگر بھول جانا مرض ہے پھر بھی کوئی اس میں مبتلا نہ ہوگا جو ہوگا وہ بھول جائے گا کہ وہ اس میں مبتلا ہے ویسے بھی اتنی احتیاطی تدابیر ایسے مریض کو نہیں کرنا چاہئیں ہوتیں جتنی ڈاکٹروں کو کرنا پڑتی ہیں۔ ماہر ڈاکٹروں کی رائے کے مطابق مرض نسیان میں مبتلا شخص کا معائنہ کرتے وقت ڈاکٹر کو خصوصی احتیاط کرنا چاہیے اور وہ احتیاط یہ ہے کہ فیس ایڈوانس لے لینا چاہیے اور یہ احتیاط ہر امریکی سے برتنا چاہیے۔

ooo

- ممکنات مجازی خداواد

کہتے ہیں دور کے ڈھول سہانے یہ ہے بھی سچ دور کے ڈھول سہانے لگتے ہیں بشرطیکہ وہ اتنی دور ضرور ہوں کہ ان کی آواز سنائی نہ دے۔ ایسے ہی ہم ماسٹرز اینڈ جانسن کی کتابیں پڑھ پڑھ کر سمجھتے تھے ان سے خوش میاں بیوی تو کوئی دنیا میں نہ ہوگا۔ وہ یورپ جہاں کوئی پوچھے کہ طلاق سے بچنے کے لیے کیا احتیاط کریں تو اگلا کہے گا شادی سے احتیاط کریں۔ وہاں ایک سروے کے مطابق پندرہ سالوں میں طلاق کی شرح 30 فیصد کم ہوئی تو ماہرین نے اس کی جو وجوہ بتائیں ان میں سے ایک یہ تھی کہ لوگ ماسٹرز اینڈ جانسن کی کتابیں پڑھتے ہیں اور دوسری وجہ یہ تھی کہ شادی کرنے کی شادی 30 فیصد کم ہو گئی ہے۔

جان ماسٹرز اور جانسن دونوں میاں بیوی ڈاکٹر ہیں ویسے ڈاکٹر سے شادی کرنے میں یہی قباحت ہے کہ بیوی طبیعت کی خرابی کا بہانہ نہیں کر سکتی۔ بہرحال ڈاکٹروں کی لکھی کتابیں اس قدر مفید ہوتی ہیں کہ ان کا پڑھنا ہی صحت کے لیے مفید نہیں نہ پڑھنا بھی صحت کے لیے مفید ہوتا ہے۔ ہم تو ڈاکٹر فضل الرحمان لاہور کے کلام کا نسخہ دکھا کر میڈیکل سٹور سے سر درد کی دوا لے لیتے ہیں جناب جان ماسٹرز اور محترمہ جانسن صاحبہ کی یہ دوسری شادی تھی۔ دوسری شادی کرنے میں ہمیشہ یہی مشکل رہی ہے کہ اس کے لیے بندے کا پہلے شادی شدہ ہونا ضروری ہے۔ محترمہ جانسن صاحبہ تاریخی خاتون ہیں اگرچہ تاریخ میں ان کی تاریخ سے زیادہ ان کے جغرافیے کی تفصیل زیادہ ہے۔ دونوں میاں بیوی آپس میں کبھی نہ لڑتے یہ سمجھ نہیں آتی کہ اگر دونوں میں لڑائی ہی نہیں ہوتی تھی تو پھر وہ اتنا لکھنے کے لیے وقت کیسے نکال لیتے تھے۔ بہرحال جان ماسٹرز اپنے تحقیقی کام میں اتنے کھوئے رہتے ہیں کہ اپنی بیوی جانسن کے ساتھ یوں پیش آتے جیسے کسی اجنبی خاتون کے ساتھ پیش آرہے ہوں۔ شاید یہی ان کی خوشگوار ازدواجی زندگی کا راز

تھا۔ جانسن بھی ریسرچ میں اتنی مگن رہتیں کہ ماسٹرز کہتے کہ "دوران کار اکثر وہ میرے ساتھ اتنے اچھے طریقے سے پیش آتیں کہ مجھے یقین ہو جاتا کہ انھوں نے مجھے نہیں پہچانا۔" یاد رہے کہ یہاں دوران کار سے مراد اس دوران نہیں جب وہ کار میں ہوتے دونوں میاں بیوی کی کتابوں میں اس بات پر زور ہوتا کہ یہاں بیوی میں طلاق کی وجہ ذہنی ہم آہنگی کا نہ ہونا ہے جبکہ ان کی اپنی طلاق کی وجہ یہی ذہنی ہم آہنگی اور ملتے جلتے خیالات تھے جیسے ماسٹرز چاہتے کہ وہ صبح اٹھیں تو شریک حیات ناشتہ تیار کر کے لائے اور جانسن بھی یہ چاہتی۔

دنیا میں کوئی دو مرد ایک جیسے نہیں اور دونوں اسی بات پر خوش ہیں پھر بھی ہر ڈاکٹر چاہتا ہے کہ وہ جان ماسٹرز جیسا ہو۔ وہ اتنے بڑے آدمی ہونے کے باوجود اتنے سادہ اور نرم دل تھے کہ جانسن سے کسی نے پوچھا "آپ بیمار ہوتی ہیں تو یہ آپ کے ساتھ کیسا سلوک کرتے ہیں؟ کہا "بہت اچھا سلوک کرتے ہیں۔ یہ تو یوں پیش آتے ہیں جیسے ہمسائے ہوں۔" وہ ان کا بڑا احترام کرتیں کہتیں بچپن ہی سے میرے گھر والوں نے مجھے یہ سکھایا کہ بڑوں کا احترام کرو۔ اگرچہ اپنے بارے میں لکھنے میں یہ خرابی رہی ہے کہ اپنی خامی لکھو تو برا لگتا ہے' خوبی لکھو تو دوسروں کو برا لگتا ہے۔ لیکن ماسٹرز اینڈ جانسن اپنے بارے میں لکھتے رہے۔ لکھتے ہیں کہ اکثر میاں بیوی میں اس بات پر جھگڑا ہوتا ہے کہ اگر کوئی گڑبڑ ہو جائے تو میاں کہتا ہے یہ بیوی کا قصور ہے جبکہ بیوی میاں کا نام لگاتی ہے مگر ماسٹر اینڈ جانسن سے کوئی گڑبڑ ہوتی تو ان کا اس بات پر جھگڑا ہوتا میاں کہتا کہ یہ میرا قصور ہے جب کہ بیوی کہتی میرا ہے۔ ایک صحافی نے جان ماسٹرز سے پوچھا۔ سنا ہے ہر وقت آپ کا اپنے آپ پر کنٹرول ہوتا ہے۔ کہا نہیں ہر وقت اپنے آپ پر میرا کنٹرول نہیں ہوتا کبھی بیوی بھی میرے ساتھ ہوتی ہے۔ ماسٹرز اینڈ جانسن کی کتابیں مملکت مجازی خداداد میں وہی مقام رکھتی تھیں جو مملکت خداداد میں آئین اور قانون کی کتابیں۔ شادی سے نہ بچنے اور شادی بچانے کے لیے ڈاکٹرز ان کی ہی کتابیں استعمال کرتے ہیں۔ ویسے شادی بھی عجیب چیز ہے اس کے پہلے

وہ بندہ سوچتا ہے میں نے شادی کرنے میں اتنی دیر کیوں کی اور پھر ہر ماہ یہی سوچتا ہے کہ شادی کرنے میں اتنی جلدی کیوں کی۔ ماسٹرز اینڈ جانسن کی طلاق سے یہ نتیجہ بھی نکلتا ہے جو ویسٹ انڈیز کے کرکٹ کوچ نے نکالا تھا۔ ایک بار ٹیم کی ناقص بیٹنگ کرنے پر وہ غصے میں آگر میچ کے فوراً بعد ٹیم کو نیٹ پر لے آئے اور خود پیڈ باندھ کر بیٹنگ کرنے چلے گئے تاکہ کھلاڑیوں کو بیٹنگ کے بارے میں بتا سکیں۔ کافی دنوں سے آؤٹ آف پریکٹس تھے کئی مرتبہ آؤٹ ہوئے تو غصے سے باہر آئے اور پیڈ اتارتے ہوئے بولے یہ وہ طریقہ ہے جس طرح تم بیٹنگ کرتے ہو آئندہ اس طرح نہ کرنا۔ ہوسکتا ہے جان ماسٹرز بھی یہی کہیں کہ یہ وہ طریقہ ہے جو تم اپنی بیویوں کے ساتھ روا رکھتے ہو اور اس کا نتیجہ طلاق ہی نکلتا ہے۔

دونوں میاں بیوی کی کتابوں کا مفہوم اگر ایک فقرے میں دیا جائے تو وہ یہ ہوگا کہ میاں بیوی خوش گوار زندگی کیسے گزار سکتے ہیں۔ انہوں نے اپنی کتابوں میں ہر طریقہ بڑے طریقے سے بتایا ہے ممکن ہے دونوں نے طلاق بھی لوگوں کو یہ بتانے کے لیے لی ہو کہ میاں بیوی کے لیے خوشگوار زندگی گزارنے کا ایک طریقہ یہ بھی ہے۔

○○○

• بچہ سقہ

بچہ سقہ کے بارے میں تو کوئی سقہ بند تاریخ دان ہی حاتمی اور حتمی رائے دے سکتا ہے۔ ہم تو یقین سے یہی کہہ سکتے ہیں کہ وہ سب کچھ ہو گا مگر بچہ نہ تھا۔ بچہ ہونا کتنا مشکل ہے کسی گائنی کے ڈاکٹر سے پوچھیں۔ ایک معروف ادبی ڈاکٹر نے تو ایک بار کہا کہ میں بڑا ہو کر چھوٹا بچہ بننا چاہتا ہوں تب سے دانشور اسے بچہ سمجھنے بھی لگے مگر ہم سمجھتے ہیں حکیم سعید وہ دانشور ہیں جو بچے اتنا بچہ نہیں سمجھتے۔ ہم انہیں بچوں کا سگا سمجھتے ہیں مگر گورنر بن کر انہوں نے جو یہ بیان دیا کہ بچوں کو بھی اسمبلی میں نمائندگی ملنا چاہیے' اس سے تو کچھ اور ہی انکشاف ہوا ہے ایک انکشاف تو یہ بھی ہے کہ ہماری اسمبلی میں بچے نہیں ہیں۔

سیاست بچوں کا کھیل نہیں' بڑوں کا ہے۔ ہمارے ہاں بااصول سیاست دان اسے کہتے ہیں جسے جو ایک بار خرید لے پھر پانچ سال اسی کا ہو کے رہے۔ وہ جیب کی بجائے جیب سے بولتے ہیں۔ ہمارے ایک نورجہاندیدہ سیاست دان نے ایک بار کہا کہ جانوروں کا گفتگو نہ کرسکنا ان کی خوبی ہے اور موصوف کی گفتگو سن کر میں اس کا قائل بھی ہو گیا۔ اسمبلی میں بچے ساتھ لے جانے کی کبھی اجازت نہیں رہی کہ اس سے بچوں کے اخلاق پر برا اثر پڑتا ہے۔ کچھ گھرانوں کو میں جانتا ہوں' جہاں آج بھی بچوں کو ہاتھوں کے لطیفے اور اسمبلی کی کارروائی پڑھنے کی اجازت نہیں۔ خیر یہ تو وہ گھرانے ہیں جو بعد گوبھی بھی پسند کریں گے تو اس لیے کہ یہ واحد باپردہ سبزی ہے۔ صاحب عورت کا تب پتہ چلتا ہے جب آپ کا اس سے عدالت میں آمنا سامنا ہو اور بچے کا تب جب وہ بچہ نہ ہو۔ ہمارے ہاں غریب گھروں میں اتنے بچے ہیں کہ کسی سے پوچھو کتنے بال ہیں؟ تو جو تعداد وہ بتائیں گے اس سے پتہ نہیں چلے گا کہ سر کے بال بتا رہے ہیں یا گھر کے۔ اگرچہ ہم بغیر بچوں کے دنیا کا تصور نہیں کرسکتے کیونکہ اردو لیچر ہے

روزگار ہو جائیں گے۔ آج کے بچے اتنے بچے نہیں ہیں' انھیں وہ سب میسر ہے جو ان
کے والدین کو ان کے زمانے میں مہیا نہ تھا مثلاً ڈیپریشن' السر' آلودگی اور ٹینشن' جیسے
گرلز گائیڈ میں سات سال سے لے کر ستر سال کی گرلز ہو سکتی ہیں۔ صرف لکھتے وقت
گرلز چھوٹی جی کی بجائے بڑی جی سے لکھنا پڑتا ہے' ایسے ہی اسمبلی میں ہر عمر کے بچے
ہیں' بڑھاپا بھی تو دوسرا بچپن ہوتا ہے۔ فرق یہ ہے کہ بچپن کے دن مختصر اور سال
طویل ہوتے ہیں جبکہ بڑھاپے میں دن لمبے اور سال مختصر ہونے لگتے ہیں۔ میڈونا نے
ایک بار کہا تھا "مجھے بچے بہت پسند ہیں' خاص کر وہ بچے جو اٹھارہ سال پہلے پیدا ہوئے۔"
ایسے ہی ارکان اسمبلی سب بچے ہوتے ہیں لیکن تیس چالیس سال پہلے کے۔ بقول شخصے
کسی خاتون افسانہ نگار کی جنس بدل جائے تو پھر بھی لوگ اسے سابق خاتون افسانہ نگار
ہی کہتے ہیں' ایسے ہی جو ایک بار رکن اسمبلی بن جائے' پھر وہ توبہ تائب ہو کر اللہ
سے لو لگالے پھر بھی لوگ اسے سابق رکن اسمبلی ہی کہیں گے۔ لیکن بندہ کئی سال
بچہ رہتا ہے مگر کوئی اسے سابق بچہ نہیں کہتا' سابق گورنر میاں محمد اظہر کے دور میں
گورنر ہاؤس گورنس ہاؤس بن گیا تھا' اتنے بچے انہیں دیکھنے آتے کہ چڑیا گھر کی آمدنی
آدھی رہ گئی' اب لگتا ہے گورنر سندھ حکیم سعید آمدنی اور کم کرنا چاہتے ہیں کیونکہ
اب تو بچوں کو بھی پتہ ہے کہ پاکستان میں سب سے قیمتی گھوڑے کہاں پائے جاتے
ہیں' ویسے ہم سوچتے ہیں ارکان اسمبلی کو گھوڑا ہی کیوں کہا جاتا ہے' اونٹ کیوں نہیں
حالانکہ آج بھی اس کی کوئی کل سیدھی نہیں' شاید اونٹ اس لیے نہ کہتے ہوں کہ
اونٹ پئے بغیر ایک ہفتہ گزار سکتا ہے۔ ایک بار اطالوی آمر اور شہنشاہ کالیگولا نے اپنا
گھوڑا سینٹ کا رکن بنا دیا تھا' کسی نے کہا یہ کیا قانون سازی کرے گا' گھوڑے میں
یہ صلاحیت نہیں کہ کسی کے ساتھ انصاف کر سکے تو کالیگولا نے کہا اس میں یہ صلاحیت
بھی نہیں کہ کسی کے ساتھ ناانصافی کر سکے۔ بہرحال اب بچے بھی اسمبلی میں آئیں
گے تو ہمیں ڈر ہے کہ بڑوں کی طرح شور مچانا اور لڑنا سیکھ لیں گے۔ ممکن ہے حکیم

صاحب بچوں کو اسمبلی میں لا کر ارکان کو خواب غفلت سے بیدار کرنا چاہتے ہوں۔ بچہ تو گھر میں ایک ہی ہو تو اٹھنے کے لیے الارم کی ضرورت نہیں رہتی۔ اگر زیادہ ہوں تو ملک کے لیے آلارم ہوتا ہے۔ ہو سکتا ہے بچے اس پر احتجاج کریں کہ اگر ہمیں اسمبلی میں بھیجا جا رہا ہے تو پھر ارکان اسمبلی کو بھی سکول بھیجا جائے۔ حکیم صاحب کی تو رائے ہے اسمبلی میں بچے ارکان کو کاغذ وغیرہ پکڑا دیا کریں گے' دوران لڑائی ان کے جوتے ادھر ادھر ہو جائیں تو جوتے پیش کریں گے جس سے ان کی پارلیمانی تربیت ہو گی' جی ہاں ارکان اسمبلی کی۔ لیکن بچوں کی یعنی بیگانہ رائے یہ ہے کہ یہاں بھی معاملہ والدین جیسا ہو گا جو یہ ہے کہ بچوں کو والدین اس عمر میں ملتے ہیں جب ان کی تربیت نہیں ہو سکتی۔

○○○

• راگ نیڈال

ہم نے کلاسیکل موسیقی سنتے ہوئے بچوں کو جیسے منہ بناتے دیکھا ہے اس سے ہمیں یہ شک تو تھا کہ موسیقی کا ذائقہ دوا جیسا ہوتا ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ امریکی فوک سنگر اوڈیٹا نے 1980ء میں کہا تھا "میوزک وہ دوائی ہے جسے پینا بڑا ہی خوشگوار ہوتا ہے۔" سو ہم یہ سب پی گئے مگر ہم نے کبھی سوچا تک نہ تھا کہ ایک دن موسیقی کی کیسٹیں باقاعدہ میڈیکل مشوروں پر بطور دوا بکیں گی۔ جاپان ایجاد کی ماں ہے۔ انہوں نے سر کے بال اگانے والے ناگوں کے ساتھ نیڈال کیسٹیں مارکیٹ کی ہیں۔ جنہیں سننے سے سر کے بال اگ آتے ہیں۔ جس سے بال نکلنے لگتے ہیں۔ ویسے تو ہم بھی جانتے ہیں کہ آج کل کے گانے سننے سے تھکاوٹ اترتی ہے۔ جی ہاں آپ پر تھکاوٹ اترتی ہے نورجہاں کے نور جہاندیدہ شوہر شوکت حسین رضوی صاحب نے ایک بار کسی کو کہا کہ میں تو رات کو نورجہاں سے گانے سن کر تھکاوٹ اتارتا ہوں۔ تو سننے والے نے کہا میں چھ سات لوگوں کو جانتا ہوں جو ایسا ہی کرتے ہیں' تو شوکت حسین رضوی غصے میں آ گئے' ویسے موسیقی ہمارے معاشرے کا "ناقوت انگ" ہے کنگز سے کنز مولوی تک جب نقل مکانی کرتے ہیں تو یہی کہتے ہیں اپنا ساز وسامان منتقل کررہا ہوں گویا سامان کا لفظ بعد میں پہلے ساز کا آتا ہے۔ گانا ہمارے ہاں اس قدر اہم ہے کہ بیگانہ یعنی بے گانہ نا واقف اور اجنبی کو کہتے ہیں تاہم اب تک موسیقی کا یہی فائدہ تھا کہ شرارتی بچوں کا اس سے یوں علاج کیا جاتا ہے کہ چپ کرکے سوجاؤ ورنہ ٹی وی پر راگ رنگ لگاویں گے۔ لیکن جاپانیوں نے سر کا سر ہی کرلیا اور دوا قرار دے دیا۔ شاید اس لیے وہ استاد نصرت فتح علی خان کو باقاعدہ ڈاکٹر لکھتے ہیں۔ بڑے استاد نصرت فتح علی خان تو جب بچے تھے تب بھی بڑے استاد تھے۔ جاپانی تو انہیں دیوتا کہتے ہیں ویسے ہندوستانیوں کی طرح انہیں بھی جس چیز کی سمجھ نہ آئے اسے دیوتا بنا لیتے ہیں۔

موسیقی کا درد سے بڑا رشتہ ہے۔ مہدی حسن گا رہے ہوں تو واقعی لگتا ہے انہیں درد ہو رہا ہے۔ وہ سر چھیڑتے ہوئے یوں منہ سے اشارہ کرتے ہیں کہ بندے ادھر ادھر دیکھنے لگتے ہیں کہ یہ کسے چھیڑ رہے ہیں؟ ہمیں گلوکار پٹھانے خان بہت پسند ہیں اس وقت تو اور بھی پسند ہیں جب وہ نہ گا رہے ہوں ان کے دانت نہیں سو واحد گلوکار ہیں کو منہ کھولے بغیر اپنی زبان باہر نکال سکتے ہیں۔ سو گاتے ہوئے ان کے منہ سے یہ نہیں لگتا ہے انہیں درد ہے بے درد لگتے ہیں۔ درد کے ہول سیل ڈیلر عطاء اللہ عیسیٰ خیلوی ہیں ایک تقریب میں انہوں نے ایسا درد ناک گایا کہ کئی ڈاکٹر سیٹوں سے اٹھ کھڑے ہوئے۔ گانا ختم ہونے پر انہیں پچاس ہزار روپے ملے۔ جس پر ایک گلوکار نے کہا یہ کونسی بڑی بات ہے مجھے گانا ختم کرنے کی اس سے بڑی آفر ہوئی ہے ملکہ ترنم نورجہاں کے گانے تو ہم دوستوں کو یہ کہہ کر سنواتے ہیں کہ اب آپ نورجہاں سے سر درد کی دوا سماعت فرمائیں۔ مگر کسی نے تحقیق ہی نہ کی کہ سر درد کے علاوہ موسیقی کا سر کے بالوں سے بھی تعلق ہے۔

جاپانی تحقیق کے مطابق گنجے وہ ہوتے ہیں جو موسیقی پر سر دھنتے ہیں مگر ہم حیران ہیں کہ جو موسیقی پر سر نہیں دھنتے پھر وہ گنجے کیوں ہوتے ہیں۔ موسیقار اعظم موزارٹ کی دھنوں میں بھی بال اگاؤ صلاحیت تھی۔ انہیں ایک بار گنجوں کی تقریب میں گانے کی دعوت دی گئی۔ انہوں نے بہت معاوضہ طلب کیا؟ کسی نے وجہ پوچھی تو بولے "میں دیواروں کو سنانے کے اتنے ہی پیسے لیتا ہوں۔"

بال سر کا لباس ہوتے ہیں اس لیے "ٹنڈ" کو لوگ یوں ڈھانپتے ہیں جیسے ستر ڈھانپ رہے ہوں۔ بہرحال ہمارے خیال میں گنجا وہ ہوتا ہے جو اتنا سر بلند ہو کہ اس کا سر اپنے بالوں سے اوپر نکل جائے۔ اصل گنجا سر وہ ہوتا ہے جس پر ہاتھ پھیرا جائے تو لگے ہاتھ پر سر پھیرا جا رہا ہے۔ میوزک میں یہی خامی ہے کہ اسے چھوا نہیں جا سکتا' سونگھ بھی نہیں سکتے۔ سو یہ دوا کی بجائے ہمیں دعا ہی لگتا ہے۔ بلکہ ڈیال کیسنیں سننے والوں کے لیے بھی ہماری دعا ہے کیسنیوں پر راگ ڈیال دریافت کرنے والے موسیقار کی

تصویر بھی چھپی ہے۔ یہ موصوف کی اپنی بیوی کے ساتھ اپنی شادی کے دن کی ہے۔ جس میں دونوں کے درمیان ان کا بیٹا کھڑا ہے۔ موسیقار کے بالوں کو بری طرح کٹنگ کی ضرورت ہے۔ ہوسکتا ہے کہ آپ دیکھ کر کہیں اچھی طرح کٹنگ کی ضرورت ہے۔ ویسے تو معروف صحافی احمد بشیر سے کوئی کہے کہ میں حجامت کروانے جارہا ہوں تو پوچھتے ہیں: "تمہاری شادی نہیں ہوئی؟" شاید اسی لیے آج کل "مبینہ" گلوکار کا سر بالوں سے بال بال بچا ہوا ہے۔ جس کی وجہ یہ بھی ہوسکتی ہے وہ خود اپنے گانے نہیں سنتا ورنہ اتنا "فارغ البال" کیسے ہوتا؟ اس نے دھنوں کو خوب دھنا ہے اگر آپ تھوڑی دیر کے لیے خوش ہونا چاہتے ہیں تو اس کا گانا سنیں اور اگر زیادہ دیر خوش رہنا چاہتے ہیں تو نہ سنیں۔ بہرحال ہماری طرف سے ان کیسٹوں کی ترکیب استعمال یہ ہے کہ بجنے والے گانے کی طرف منہ نہ کریں اور کیسٹ کے گیتوں کو اشفاق احمد کے ڈراموں کی طرح اپنے سر کے اوپر سے گزرنے دیں۔

○○○

• آدم و حوا

صاحب امریکہ میں حوا کی ایک کتاب چھپی ہے جس نے آدم کو ہوا بنا دیا ہے۔ یہ کتاب امریکہ کی مشہور رائٹر سنتری گارنر کی ہے جس کا نام ہے " وہ سب کچھ جو مرد عورتوں کے بارے میں جانتے ہیں" یہ کتاب 128 صفحات پر مشتمل ہے۔ یہ تمام صفحات خالی اور کورے ہیں۔ عورتوں نے مردوں پر بہت کچھ لکھا مگر ایسی طنز یہ کتاب نہ لکھ سکیں۔ ہم عورتوں کے مخالف ہیں جی ہاں صنف مخالف۔ مگر کوئی پوچھے "یہ کتاب کیسی لگی؟" تو کہیں گے "بہت زوری۔"

صاحب! عورتیں دو قسم کی ہوتی ہیں ایک وہ جو اپنے آپ کو اتنی توجہ دیتی ہیں جتنی دینی چاہیے اور دوسری وہ جو آپ کو اتنی توجہ نہیں دیتیں جتنی دینی چاہیے۔ لیکن گارنر اتنی مختلف ہے وہ دوسروں سے ہی نہیں اپنے آپ سے بھی مختلف ہے۔ منافقت نہیں کرتی جو اس کے اندر ہوتا ہے وہی باہر ہوتا ہے یقین نہ آئے تو اس کا لباس دیکھ لیں۔ وہ فیملی سسٹم کی قائل ہیں علیحدہ گھر لے کر رہنے کی حامی نہیں کہتی ہیں کہ ہم تو میاں بیوی ایک ہی گھر میں رہتے ہیں۔ ہر عورت کو رہنے کے لیے بڑا گھر چاہیے مگر مرد کے گزارے کے لیے ایک ہی کمرہ کافی ہوتا ہے بس وہ گھر سے باہر ہو۔ وہ ترقی یافتہ ملک کی عورت ہے اور امریکی ماہر اقتصادیات ہے کے گلبرتھ کے بقول انڈر ڈویلپڈ ممالک کی عورتیں اوور ڈویلپڈ ہوتی ہیں۔ جن دنوں انہوں نے یہ کہا اداکارہ انجمن امریکہ کے دورے پر تھیں۔ "روح موسیقی کی غذا ہے" مگر گارنر کی طبیعت کو جو ساز بھاتا ہے وہ نا ساز ہے وہ امریکہ کی سب سے زیادہ بکنے والی رائٹر ہیں' ان کی کتابیں بھی بہت بکتی ہیں۔ ایسی کتابیں تو "نمک میں آٹے" کے برابر ہوتی ہیں۔ اس کتاب کی 35,00,000 کاپیاں فروخت ہو چکی ہیں۔ جو اس طرح فروخت ہو رہی ہیں جیسے ہمارے ہاں کاپیاں فروخت ہوتی ہیں۔ اس کتاب نے ادب میں نئی صنف کا

اضافہ کیا ہے یوں اب اصناف سخن میں صنف نثر صنف نظم' اور صنف نازک اہم اصناف ٹھہریں۔ اگرچہ عورتوں کے لیے پہلے ہی اردو میں الگ صنف سخن موجود ہے کسی نے خاکہ نگار مجتبیٰ حسین سے پوچھا "تم نے صرف مردوں کے سراپے یعنی خاکے لکھے' کیوں؟" مجتبیٰ نے کہا "دوسرے سراپے کے لیے غزل جو موجود ہے۔" اس موضوع پر پہلے ہماری ایک شاعرہ کی کتاب آئی جس پر کسی نے یہ تبصرہ لکھا "کتابت اچھی نہیں ہے مگر کلام سے بہتر ہے۔" بہرحال ہم کہہ سکتے ہیں گارنر کی کتاب میں کتابت کی کوئی غلطی نہیں۔ اس کتاب کو لکھنے میں ایک لفظ بھی نہیں لگا۔ البتہ اس کتاب سے اس کے زمانے کا تعین نہیں ہو سکتا۔ لیکن جیسے یوسفی صاحب نے لکھا کہ قدیم ہندو شاستروں میں عورت کے 404 چلتر بتائے۔ یہ 404 اس لیے لکھے گئے ہیں کہ تب تک گنتی اتنی ہی آتی تھی۔ سو ہو سکتا ہے کوئی عورت کہے کہ یہ کتاب اتنی پرانی ہے کہ یہ تو اس زمانے کی ہے جب ابھی لکھنا شروع نہیں ہوا تھا۔ ہمیں اس کتاب پر دو اعتراض ہیں ایک یہ کہ قابل اعتراض نہیں ہے اور دوسری یہ کہ پتلی بہت ہے۔ حالانکہ امریکیوں کو موٹی کتابیں اور پتلی عورتیں اچھی لگتی ہیں۔ یہ تو اٹلی کا مسولینی ہی تھا جو پتلی عورتوں کو اتنا ناپسند کرتا کہ اس نے ان کی تصویریں بنانے پر پابندی لگادی تھی کہ جو پتلی عورت کی تصویر بنائے گا اسے جیل بھیج دیا جائے گا۔ یہی حال موٹی کتابیں پڑھنے والوں کا کیا جاتا ہے۔

یہ واحد کتاب ہے جسے ہر زبان کا قاری بلکہ بے زبان قاری بھی ترجمے کے بغیر سمجھ سکتا ہے۔ حالانکہ اکثر کتابیں ترجمے کے بعد ہی سمجھ آتی ہیں۔ جیسے ہمارا دل چاہتا ہے عبدالعزیز خالد صاحب کی کتابوں کا روسی' جاپان' انگریزی میں ترجمہ کریں پھر کسی سے ان کا اردو زبان میں ترجمہ کروا کے لوگوں کو پڑھائیں تاکہ انھیں پتہ چلے کہ عبدالعزیز کتنے قادر الکلام شاعر بلکہ عبدالقادر الکلام شاعر ہیں۔ بہرحال اس کتاب سے پہلے ہمیں یہ علم نہ تھا کہ عورت کے بارے میں کچھ علم نہیں۔ یوں ہمارے علم میں اضافہ ہوا

لیکن جیسے دانشور سارنجیا نے کہا ہے کہ ہمارا ایک غم دوسرے غم کو دعوت دیتا ہے جیسے کل میرا شوہر مر گیا آج میری سوئی گم ہو گئی۔ ایسے ہی ایک لاعلمی کا علم لاعلمی میں ہی اضافہ کرتا ہے۔ صاحب! عورت کو سمجھنا اتنا مشکل نہیں جتنا سمجھانا۔ مرد چہرے سے جتنے بے وقوف لگتے ہیں اتنے ہوتے ہیں۔ جبکہ عورتیں جتنی بیوقوف ہوتی ہیں اتنی چہرے سے نہیں لگتیں۔ عورت اور عرب پچاس بھی اکٹھے ہوں تو ان میں سے آدھے بول رہے ہوتے ہیں اور باقی آدھے سن نہیں رہے ہوتے۔ عورت کو جب مرد کی سمجھ نہ آئے تو وہ اس سے طلاق لے لیتی ہے اور مرد کو جس عورت کی سمجھ نہ آئے اس سے شادی کر لیتا ہے۔ گارنر کے بقول مرد عورت کے بارے میں کچھ نہیں جانتا یہ خوبی ہے یا خامی اس کا تو پتہ نہیں۔ یہ پتہ ہے کہ ایک اداکارہ سے کسی صحافی نے پوچھا "آپ کی خوشگوار زندگی کا راز کیا ہے؟" تو اس نے کہا "میرا مرد میرے بارے میں کچھ بھی نہیں جانتا۔"

○○○

• وبال ٹھاکرے

سیاستدانوں کو سچ کہنا نہیں چاہیے اور جھوٹ بولنا نہیں چاہیے۔ ہم نے ایک دانشور سے پوچھا کہ "یہ کیسے پتہ چلتا ہے کہ کب کوئی سیاستدان جھوٹ نہیں بول رہا ہے۔ کہا "بہت آسان ہے' جب وہ چپ ہو" ویسے سیاستدانوں کی باتیں عام لوگوں کی طرح ہمیں بھی سمجھ نہیں آتیں۔ سمجھ میں آجائیں تو وہ پکڑے نہ جائیں لیکن بھارتی انتہا پسند لیڈر بال ٹھاکرے کی ہی بات ہمیں بالکل سمجھ نہیں آتی کہ انتخابات بالکل نہیں ہونے چاہئیں۔ ۔ ۔ ۔ اگرچہ انہیں فرمانے کا بہت شوق ہے' کچھ فرمانے کو نہ ہو تو غسل فرمانے لگتے ہیں۔ دنیا انہیں دھمکی رام" کے طور پہچانتی ہے۔ اگر انہیں کسی کے پاس بیٹھے پانچ منٹ ہو جائیں اور وہ ایک بھی دھمکی نہ دیں تو ان کے پیرو کار فوراً ڈاکٹر کو بلوا لیتے ہیں۔

بال ٹھاکرے صرف نام کے بال ہیں وہ تو جب بچے تھے تب بھی بچے انہیں "دادا" کہتے' کلاس میں چوتھے نمبر پر آتے۔ کہا "میں نے کوشش کی اور پہلے نمبر پر آگیا" صحافی نے پوچھا "کیا کوشش کی؟" کہا "اول' دوم' سوم آنے والے لڑکوں کو سکول سے نکلوا دیا۔ "آپ پوچھیں گے وہ مذہبی رہنما کیسے بنے' اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ شروع ہی سے بزنس مائنڈیڈ تھے۔ مذہبی جنونی ہیں' مذہبی جنونی ہونے کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ اس کے لیے مذہب کو زیادہ پڑھنا نہیں پڑتا۔ یاد رہے کہ ہمارے مولوی حضرات تو اتنا پڑھتے ہیں کہ ہم چنے کھاتے ہیں وہ "چنے" بھی پڑھتے ہیں۔ بال ٹھاکرے ایسی ہندی بولتے ہیں کہ ان کی گفتگو سننے کے لیے بار بار ڈکشنری اور اسپرو کی ضرورت پڑتی ہے۔

انہوں نے تو ایک بار اردو سکھانے کے لیے ایک ٹیوٹر رکھا جس نے ایک ہی سال بعد اپنے لیے اردو کا ایک ٹیوٹر رکھ لیا۔ بال ٹھاکرے ہر کام کا آغاز اختتام سے کرتے ہیں' بھارتی

حکومت کہتی ہے "بچے کم ہونے چاہئیں۔" وہ کہتے ہیں والدین کم ہونے چاہیں۔ پسندیدہ ساز' کینہ ساز' دوسرے پنڈت لوگوں کو بھگوان سے توبہ کرنے کو کہتے ہیں تو لوگ ایک بار بھی توبہ نہیں کہتے۔ جب کہ بال ٹھاکرے کا نام سن کر سبھی توبہ توبہ کرنے لگتے ہیں۔ ۔ ۔ ۔ وہ بھارت کو مہا بنانا چاہتا بلکہ انہوں نے "مہا بھارت" کا آغاز کر بھی دیا ہے۔ ۔ ۔ ۔ مذہبی انتہا پسند لیڈروں کے بارے میں اب ہماری وہی رائے ہے جو ان لیڈروں کی ایک دوسرے کے بارے میں ہے' پہلے بہتر تھی۔ تین مذہبی رہنماؤں کی ایک موقع پر ایک ہی رائے ہو سکتی ہے بشرطیکہ باقی دونوں موقع پر نہ ہوں۔ لیکن مسلمان دشمنی میں تمام مذہبی ہندو راہنما ایک جیسا ہی سوچتے ہیں۔ حالانکہ جب سب ایک جیسا سوچ رہے ہوں تو اس کا مطلب ہے کہ کوئی بھی نہیں سوچ رہا۔ اس دشمنی میں شیو سینا کا سربراہ بال ٹھاکرے سب سے دل کھول کر داد لیتا ہے۔ پہلے بارٹ سرجن ہی دل کھول کر داد لیا کرتا تھا لیکن اس کی تنظیم ایسی ہے کہ بقول ایک مزاح نگار بھارت کا بچہ بچہ جانتا ہے' یہ ایک غیر مقبول تنظیم ہے۔ سنا ہے ایک بار الیکشن میں کھڑی ہوئی تو الیکشن کے دن پہلے ٹائم تو کوئی ووٹ ڈالنے نہ آیا البتہ سیکنڈ ٹائم ووٹ ڈالنے آنے والوں کی تعداد میں کمی آگئی۔ اس پس منظر میں تو ان کی یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ انتخابات نہیں ہونے چاہئیں۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ایسے ہی ایک ہندو پہلوان نے کہا کہ میں ساری زندگی ایک بھی کشتی نہیں ہارا۔" شاگردوں نے پوچھا" اس کی کیا وجہ تھی؟ کہا ایک تو یہ کہ میں بہت زور والا پہلوان تھا اور دوسری یہ کہ میں نے کبھی کشتی لڑی ہی نہیں۔ "جوانی میں بال ٹھاکرے کو مقامی سطح کا الیکشن لڑنا پڑا تو کسی نے پوچھا آپ الیکشن میں کامیاب ہو گئے تو کیا کریں گے؟" کہا "یہ پوچھو کہ الیکشن میں کامیاب نہ ہوا تو کیا کروں گا؟" پھر لیڈر بننے کے لیے الیکشن کون سا ضروری ہے۔ بھارتی دانشور سے کسی نے لیڈر اور سیاستدان کا فرق پوچھا بولے' وہ افراد جن کا تعلق میری جماعت سے ہے' وہ لیڈر۔ اور سیاستدانوں سے مراد وہ افراد ہیں جن کا تعلق

آپ کی جماعت سے ہے۔ بہرحال وہاں ٹھاکرے دیوی دیوتاؤں کی پوجا میں زیادہ وقت گزارتے ہیں جن میں کالی دیوی' سری دیوی اور لکشمی دیوی زیادہ اہم ہیں لکشمی دیوی تو ویسے ہی بہت اہم ہے۔ ایک ہندو لیڈر سے کسی نے پوچھا "دولت کیوں لگاتے ہو؟" کہا "سیاست میں نام پیدا کرنے کے لیے۔" پوچھا: "سیاست میں نام کس لیے کماتے ہو؟" کہا: "دولت کمانے کے لیے۔" کہتے ہیں بال ٹھاکرے جیسے لیڈر کو بھگوان ملا' ترس اور پرشاد کھانے کے بعد' کہنے لگا' تین چیزوں میں سے ایک مانگ لو' بے بہا دولت' خوبصورتی یا دانش۔" اس نے دانش لے لی۔ ۔ ۔ ۔ فرشتہ چلا گیا تو لوگوں نے کہا "اب آپ کچھ فرمائیں" تو ادھر ادھر دیکھا اور کہا "مجھے دولت مانگنا چاہیے تھی۔

○○○

• مقبوضہ علامہ اقبال

ہمیں بھارتیوں کی یہی سمجھ آئی ہے کہ انہیں جس کی سمجھ نہ آئے اس کی پوجا کرنے لگتے ہیں اور جس کی سمجھ آجائے اس پر قبضہ کرنے لگتے ہیں اس لیے پچھلے دنوں اقوام متحدہ کے اجلاس میں بھارتی سفیر نے علامہ اقبال کے شعر سنائے اور انہیں بھارتی شاعر کہا تو ایڈیشنل سیکرٹری خارجہ منیر اکرم صاحب نے احتجاج کیا کہ کشمیر کے بعد بھارت ہمارے قومی شاعر پر بھی قبضہ کرنا چاہتا ہے۔ مگر ہمیں اس پر حیرانی نہ ہوئی۔
ہمارے ہاں آج کل اتنی شاعری نہیں ہو رہی جتنے شاعر ہو رہے ہیں لیکن اس مملکت خداداد میں وہی شاعر پیارا ہے جو اللہ کا پیارا ہے یوں ہم اس سے پیار کرنے کے لیے اس کے اللہ کو پیارے ہونے کا انتظار کرتے ہیں۔ ابھی پچھلے دنوں ہمارے ایک دوست ایک شاعر سے مل کر حیران ہوئے اور کہا "میں تو سمجھا تھا خدانخواستہ یہ مرچکے ہیں۔"
ہم نے پوچھا "آپ یہ کیسے کہہ رہے ہیں۔" بولا "دراصل میں نے پاک ٹی ہاؤس میں کئی شاعروں کو دیکھا وہ سب ان کی بڑی تعریفیں کر رہے تھے۔" علامہ اقبال ان شاعروں میں سے ہیں جو مرتے نہیں لوگ ان پر مرتے ہیں۔ ان کے بغیر تو ہمارا روز مرہ کا گزارا ممکن نہیں وہ حکیم الامت ہیں اسے لیے حکیم ان کے کلام میں نسخوں کو طب نسخے سمجھتے ہیں ہم حکیموں کو نہیں پوچھ سکتے۔ جیسے ٹی وی والوں کو نہیں پوچھ سکتے کہ وہ بڑی عید کے پروگرام میں اداکارہ انجمن کو ہی کیوں بلاتے ہیں۔ خدا جسے دیتا ہے چھپر پھاڑ کر دیتا ہے مگر مسلمانوں کو چھپر پھاڑ کر بھی اتنا ہی دیتا ہے جس سے صرف پھٹے چھپر کی مرمت ہو سکتی ہے مگر علامہ اقبال دے کر اس نے ہمارا اقبال بلند کیا۔ بھارتیوں نے پہلے کبھی علامہ صاحب کو نہ مانا رابندر ناتھ ٹیگور کو ہی مانا۔ سنا ہے ٹیگور زیادہ اس لیے پاپولر ہوا کہ وہ شرمیلا تھا اور شرمیلا ٹیگور ہمیں بھی پسند ہے۔ ایک دوست نے

ان کی کتاب "گیتا انجلی" ہمیں دی اور ہفتے بعد پوچھا کتاب کو پڑھا ہے؟" ہم نے کہا "ہم نے تو کچھ بھی نہیں پڑھا۔" بولے "گویا تم نے آدھی کتاب پڑھ لی۔" شاعروں کی زمینوں پر قبضہ کرنے والا ادب کا قبضہ گروپ تو یہاں بھی ہے جس نے میر و غالب کی ہی نہیں اقبال کی زمینیں بھی ہتھیا لیں لیکن لگتا ہے کہ بھارتیوں نے علامہ اقبال کو علاقہ اقبال سمجھا ہے۔ ہمارے آج کے ایک مقبول شاعر جن کی زندگی میں تخیب کم اور قراۃ زیادہ ہیں۔ فرمایا "میری تو بھارت میں پوجا ہوتی ہے۔" تو ہم نے کہا "یہ کون سی خوبی والی بات ہے وہاں تو بچھڑے کی بھی پوجا ہوتی ہے۔" مگر ہمیں یہ اندازہ نہ تھا کہ بھارت کشمیر کے بعد کشمیریوں پر قبضہ کرنا شروع کر دے گا۔ کشمیر بھارت کا "اٹوٹ انگ" ہے مگر اقوام متحدہ میں یہ کیس اتنی دیر کا ہے کہ اب تو امریکیوں کو بھی اس مسئلے کا پتہ چل گیا ہے کیونکہ امریکہ وہ ملک ہے جس میں لوگوں کو یہ تو پتہ ہوتا ہے کہ سینکڑوں سال پہلے ان کے آباؤ اجداد کس علاقے میں کیا کیا کرتے رہے مگر یہ معلوم نہیں ہوتا کہ گزشتہ رات انکے بچے کہاں اور کیا کرتے رہے۔ دیکھتے ہیں اقوام متحدہ ان شعر انگیزیوں کا کیا توڑ کرتی ہے۔

دنیا میں پاکستان کی نظیر اور بینظیر نہیں ملتی۔ جب سے بنا ہے نازک حالات سے گزر رہا ہے نازک حالات نہ ہوں تو ہم پریشان ہوجاتے ہیں کہ نازک حالات سے گزرنا سخت حالات سے گزرنے سے بہرحال آسان ہوتا ہے۔ ہمیں مقبوضہ کشمیر کی فکر کے ساتھ ساتھ مقبوضہ اقبال کی فکر لگ گئی ہے فکر تو نرسیماراؤ کو بھی ہے مگر وہ تو فکر میں اتنے پریشان ہوجاتے ہیں کہ انہیں یاد نہیں رہتا کہ فکر کیا ہے؟ قوت فیصلہ تو نرسیماراؤ کی ایسی ہے کہ دہلی میں مشہور ہے جب وہ کسی اجلاس میں شرکت کے لیے جائیں اور ان سے پوچھا جائے کہ آپ چائے پئیں گے یا کافی تو اجلاس کے خاتمے تک وہ دونوں میں کسی ایک کا انتخاب نہیں کر سکتے۔ میز پر دونوں لگانا پڑتی ہے۔ خوشونت سنگھ کہتے ہیں راؤ چونکہ بارہ زبانیں جانتے ہیں اس لیے وہ بار بار ہر زبان میں ہر سوال پر غور کرتے ہیں اور لوگ سمجھتے ہیں ان کی قوت فیصلہ کمزور ہے۔ بہرحال ہمارے قومی شاعر

پر قبضہ کرنے کی اس حرکت پر ہم نرسیماراؤ کو مولانا اختر علی مرحوم صاحب کی طرح دھمکی دیتے ہیں۔ مولانا اختر علی مرحوم وزیر اعظم ایٹلی سے ملے اور کہا "دیکھیے جناب مسئلہ کشمیر فوراً حل کرا دیجئے ہاں! ایک مہینے کی مہلت دیتا ہوں ورنہ۔۔۔۔۔۔" ایٹلی کی سٹی گم ہو گی پوچھا "ورنہ کیا؟" مولانا بولے ورنہ۔۔۔۔آپ کے خلاف زمیندار میں اداریہ لکھوں گا"

○○○

• محترمہ گلوکاری صاحبہ

ہمیں اتنا تو پتہ تھا کہ عطاء اللہ عیسیٰ خیلوی صاحب نے اتنی شادیاں نہیں کی جتنی طلاقیں دی ہیں کہ وہ تو طلاق بھی یوں دیتے ہیں جیسے دعا دے رہے ہوں۔ ایک بار ایک دوست ان کی نئی بیوی کے لیے بازار سے تحفہ لینے گیا دکان پر بڑا رش تھا' دیر ہو گئی تو اس نے آکر سب سے پہلے پوچھا' لالہ ابھی تک بھابھی وہی ہے ناں' لیکن ہمیں یہ خیال تک نہ تھا کہ وہ ایک دن محترمہ گلوکاری کو بھی طلاق دے دیں گے۔ پچھلے دنوں میڈم نور جہاں نے یہ انکشاف کیا کہ صرف دو آدمی ہیں انہیں گلوکاری سے عشق ہے ایک میں اور ایک عطاء اللہ عیسیٰ خیلوی۔ ہمارے لیے یہ بڑا انکشاف تھا کیونکہ ہم اس سے پہلے میڈم کو آدمی نہیں عورت سمجھتے تھے' بہرحال گلوکاروں میں صرف عطاء کو میڈم نے آدمی مانا جو بڑی بات ہے۔ اگرچہ عطاء کا جو گانا سن کر نکلے وہ یہ کہتا ہے یہ اللہ کی عطا ہے۔ ہم نے ہمیشہ اسے اللہ کا عطا ہی کہا' بہرحال یہ آج پتہ چلا کہ گلوکاری ان کی محبوبہ نہیں زوجہ تھی۔ حالانکہ آج بھی کسی کی محبوبہ بھاگ جاتی ہے تو وہ تھانے میں بہت بعد میں درج کراتا ہے' عطاء کی کیسٹیں پہلے خریدتا ہے۔ اس کی کیسٹوں کے بکنے کی تعداد سے ملک میں ناکام عاشقوں کی مردم شماری بلکہ نامردم شماری کی جاسکتی ہے۔

عطاء کو پاکستان کا بچہ بچہ بلکہ بچی بچی جانتی ہے' وہ اس قدر سچا ہے کہ جس سے پانچ منٹ کے لیے بھی عشق کیا سچا کیا' حیرانی کی بات یہ ہے کہ اس کا ہر جاننے والا اس کے عشق کی ایک نئی کہانی سنائے گا اور اس سے حیرانی کی بات یہ ہے کہ یہ کہانی سچ بھی ہو گی۔ نوجوانی میں اپنے محلے میں پورا ہفتہ جو کرتا محلے کا مولوی جمعہ کے خطبے میں وہ سب کچھ سب کو بتا دیتا۔ جس سے یہ پتہ چلتا نہ چلتا کہ عطا کیا کرتا ہے' یہ ضرور پتہ چل جاتا کہ مولوی پورا ہفتہ کیا کرتا ہے۔ اس قدر ست ہوتا کہ

محلے میں ایک سبزی بیچنے والی تھی۔ ایک دن اس سے سبزی لینے گیا اس وقت خاتون کا بیٹا دوسری جماعت میں پڑھتا تھا۔ جب یہ سبزی لے کر واپس آیا تو وہ لڑکا چوتھی جماعت میں تھی۔ عطاء ایک سیلف میڈ آدمی ہے' جن دنوں وہ آرا مشین چلاتا تھا لوگوں کی آرا کے مطابق ان دنوں دو ہی مشہور چیزیں تھیں عطاء اللہ کا آرا اور شمیم آراء۔ فیصل آباد میں ڈرائیونگ بھی کی' ایسا ڈرائیور تھا جو تین پہیوں پر گاڑی چلا سکتا یعنی رکشا ڈرائیور تھا۔ بہت محتاط ڈرائیونگ کرتا ایک بار اس کا ساتھی ڈرائیور بہت تیز چلا رہا تھا تو اس نے کہا اپنی گاڑی میری دعاؤں سے تیز نہ چلاؤ' تو ساتھی بولا: لالہ میں خود بڑا محتاط ہوں کیونکہ میرے دس چھوٹے چھوٹے بچے ہیں' تو عطا نے کہا پھر بھی کہتے ہو کہ تم محتاط ہو۔ عطا نے اتنے حادثے سڑک پر نہیں کیے جتنے گھر میں کیے ہیں اور ہر بار محترمہ گلوکاری نے ہی اسے بچایا۔ عطاء کو محترمہ گلوکاری سے اس قدر عشق ہے کہ وہ تو عورتوں سے بھری محفل میں آنکھیں بند کرکے گاتا ہے۔ ان کی دیکھا دیکھی دوسروں نے بھی کوشش کی' چند ایک ایسی محفلوں میں ایک آنکھ بند کرنے تک آ گئے ہیں' دیکھتے ہیں ان کی دونوں آنکھیں کب بند ہوتی ہیں۔ بہرحال عطاء کی ریٹائرمنٹ کے بعد گلوکاری میں جو خلا پیدا ہو رہا ہے سنا ہے اسے پر کرنے کے لیے استاد روشن خان نے ابھی سے کوششیں شروع کر دی ہیں۔ یقین نہ آئے تو ہر صبح ان کے ہمسایوں کی سوجھی آنکھیں دیکھی جا سکتی ہیں۔ لیکن لوگوں کی رائے ہے کہ ان سے تو ہال سائز کا عوامی سوٹ پر نہیں ہوتا۔ یہ خلا کیسے پر ہو سکتا ہے۔ سو ہم خدا کا شکر کرتے ہیں کہ کہیں نصرت فتح علی خان اور عابدہ پروین صاحبہ نے ریٹائر کا اعلان نہیں کیا' ورنہ ان کے جانے کے بعد جو خلا پیدا ہوتا وہ کیسے پر ہوتا کیونکہ عابدہ پروین اور نصرت فتح علی خان ایسے گلوکار ہیں جو بڑی دیر کے بعد پیدا ہوتے ہیں' بندہ انھیں دیکھ لے تو اس دیر کی وجہ سمجھ میں آجاتی ہے۔

عطاء میانوالی کی آواز ہے اور اس کی آواز میں میاں والی بلکہ کئی میاں والیاں ہیں۔ وہ

تو فیض احمد فیض کی غزل گا رہا ہو تو بندے کو یقین ہو جاتا ہے فیض احمد فیض سرائیکی شاعر ہیں۔ وہ دل لگا کر گاتا ہے یعنی پہلے دل لگاتا ہے پھر گاتا ہے' سانس بھی سر میں لیتا ہے۔ ساری رات وہ اور سر ایک دوسرے کو جگاتے رہتے ہیں۔ عطاء رات بغیر سوئے تو گزار سکتا ہے مگر بغیر جاگے نہیں' جتنی راتیں وہ جاگا ہے اتنے تو ہم دن نہیں جاگے وہ اپنے سننے کے لیے گاتا ہے یوں اس کے گلوکاری سے ریٹائر ہونے کی وجہ ہماری سمجھ میں نہیں آئی۔ فرنیک کو سکلن نے کہا' زندگی ختم کرنے کے جتنے بھی طریقے ہیں ان میں سے سب سے آسان ریٹائرمنٹ ہے۔ منور علی ملک نے عطاء پر ایک کتاب لکھی اور کہا یہ تین طرح سے پہلی کتاب ہے عطاء پر پہلی کتاب' میری پہلی کتاب اور برصغیر میں کسی گلوکار پر پہلی کتاب' واقعی پڑھنے کے بعد یہ پہلی کتاب ہی لگتی ہے۔ اس میں انہوں نے عطاء کو درد کا سفیر کہا ہے سو ہو سکتا ہے عطاء نے اس سفارت سے ریٹائرمنٹ لی ہو لیکن انہوں نے یہ اعلان "پرائڈ آف پرفارمنس" ملنے کی تقریب پذیرائی میں کیا' جس سے لگتا ہے انہوں نے یہ ایوارڈ ملنے پر دلیر داشتہ ہو کر یہ قدم اٹھایا ہے' کیونکہ جب سے امجد حسین کو "پرائڈ آف پرفارمنس" ملا ہے کئی گلوکاروں نے گانا چھوڑ دیا ہے' ایک سے ہم نے پوچھا کیا آپ نے "اس لیے گانا چھوڑا کہ "آپ کو پرائڈ آف پرفارمنس" نہیں ملا؟" تو اس نے کہا "نہیں اس لیے گانا چھوڑ دیا ہے کہیں حکومت مجھے بھی پرائڈ آف پرفارمنس" نہ دے دے۔"